فہرست

حرف الف

حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف میم

حرف ن

حرف و

حرف ہا

حرف ی

مطبوعۂ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

مکمل نظر ہے ← ۱۸۲۹ء → [illegible] 176 years old
Should be 1929

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو ۔ آپ کا نام نجم الدین تھا۔ مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے۔ آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے۔ مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے۔ تذکرون مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا۔ ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے۔ آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے میر مکھن متخلص پاکباز سے دلی محبت تھی۔ آزاد کے علاوہ بعض تذکرون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی۔ یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی۔ اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو۔ مگر امتداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا۔ البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی۔ تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علٰحدہ نہین رکھا جا سکتا۔

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ اِن کے معاصر مرزا جانجانان نے چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو مین یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے　　آبرو سب شاعرون کی۔۔۔۔۔ ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کئے کو کور میری چشم ہے　　آبرو جگ مین رہے تو جانجانان۔۔۔۔ ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔

انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یارو خدمتگار خان خوجون کے بیچ　　ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس۔ ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایۂ عمر بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ یا اُنکا مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اُسی مین جو شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اِس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان　　لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے
کہ کالے سانپوں میں منا سا کھنکجورا ہے

خلاف وضع ہے مرتا نہیں فرنگی پر
میں آبنوس ہوں شیدا ہوں جان نگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے
کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں
مجھسے کہتے ہیں تیرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وارہ دو مجھکو
کالے پانی اتار دو مجھکو

اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
مگر وہ بت سلونا سا نولا ہے

خال و خط اس کے روئے روشن پہ
لال کملی میں کالے تل سمجھو

ترشروئی میں اُس کے موٹے ہونٹ
کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر
پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بارسی کا ڈالا ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے روئے انور پر
کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر
ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا
ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا

زلف شبگوں تمھارے چہرے پر
باغ کی ایک کالی کویل ہے

اخاہ سید ضمیر حسین نام ہے - اخاہ تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی افتاد طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کردیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو اُن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب جسٹس لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہرحال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوادیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہین ہے۔

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو آبا کر دیا ۔۔۔ اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کر دیا

یہ کہتے پھرتے ہیں پنہاں تو نہیں طالب ٹ ۔۔۔ ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہین

دل غریب کو بس پھیر دو ہاندلی کہ تک ۔۔۔ کہ میں نظام نہیں دل مرا برار نہیں

میں نے ازبر کر لی گو قسمت اس ستم ایجاد کی ۔۔۔ یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھ سے جب بے دیکھ نالہ کر دیا ۔۔۔ بک دیا[1] غالب نے کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ رکھ کر پھونکتے بھی تھے بچا اچھا ہوا ۔۔۔ آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوا نہ نام

---

[1] غالب مرحوم کا ایک مقطع ہے ؎ فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۔۔۔ نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں -

ایک بڑھیا سے ہمنے کی یاری ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا بولی چپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس - یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے - مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۱-۱۲-۱۹۱ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعرار شریک تھے صفی - محشر - عزیز - ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے - چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا - اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملتی تھی اس لئے اِن کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکاے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری - اہل قلم تھے خاموش نہ رہا گیا - اعتراضات کرنا شروع کئے - اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیے اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا ستایش کستہ تا تواند مرا
جہاں پہلواں آس پردل منم بہ گردان معنی مقابل منم
سپر پیش من جملہ انداختند رمیدند و مردند و دل باختند

ہلاکوئے شان بدریم ما	پے بزدلاں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم	بہ یزداں کہ درکیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم	منم طعنہ بر مصحفے میزنم
یلے ہمچو من نیست اندر جہاں	ہژبرِ ژیانم ہژبر زیاں
نماید اگر روے من ہمچو تیر	بدل یاس را دیدہ دوزم بہ تیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس	بود در دلِ کافراں جاے یاس
دلِ کافراں ہمچو دوزخ بود	نہ دوزخ ہے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو	تفو بر رُخِ یاس اینک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محبی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوے -

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم	کاندھے پہ لیے پھرتا ہے چھپر کئی دن سے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی	اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کر وا لو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہوسکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا -

میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدۂ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۱۰ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً اُن کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے رشند رشاتا ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ - یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے - اور
سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے - علم الشعراس کے پانچ حصہ لکھنے کا
ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک
فلسفیانہ بحث کی ہے - ملا زاغلول - ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں
پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے - اقوال اکبر - اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین
اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے - عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے
متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے - ترجمۂ پارۂ الحمد - قرآن شریف کے
پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے - یہ ابتک چھپا نہیں ہے - شرح تحفۃ العراقین
خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ
میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے - شرح دیوان غالب اُردو -
غالب کے اُردو دیوان کی شرح ہے - جو متداول اور مشہور ہے - رسالۂ علم نفس
سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سروے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر
مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا - تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اُردو
فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے - تذکرہ الظرفا - یہ تذکرہ ہے جو اسوقت
لکھ رہا ہوں - اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے
رسالوں کی برابر ہیں - ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا - مگر اُس کے چھپنے کی بظاہر
کوئی امید نہیں -

میں نے اوائل جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا
قدم غربت میں رکھا - اسی زمانہ سے میں سنہ ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا -
اس کے بعد سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا - جہاں سنہ ۱۹۱۲ء تک ع.بی
فارسی پڑھاتا رہا - اس کے بعد سنہ ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا - اور مطبع ہمدرد -

دلکشمی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اُس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو اجتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اِس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنغض ہو جاتا ہے۔ سُننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اُس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جا سکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیًا منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر اِن مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجاکر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکا دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جس میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیحجابانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر اِن مذکورۂ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ رائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بین بین غزل کہنی شروع کیں - اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا درد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں - اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں - مگر حاسدان بدبیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے - تاآنکہ اب برا بھلا کہتے ہیں - مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذٰلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہوکر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا -

احباب کی شکایت بیجا میں کیا کروں | میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں، پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں -

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں | ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے وہ ہمت نہیں

قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سُنا | جج نے تو یہ کہدیا جائے ہمیں فرصت نہیں

ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سُنی | پا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا | کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا

جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں | پڈنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا

مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا | کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا

ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی | چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے | ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہوکر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہوگئے اس دور نامیمون میں | پائجامہ جذب ہوکر رہگیا پتلون مین

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی — دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے گُن بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چرکے نہ اب آپ کھائیے — ہوٹل میں رہیے اور ہٹن چاپ کھائیے

جن کو درازیٔ شبِ غم کا گلہ ہے کچھ — بنگالنوں کے جاکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبعِ ظرافت سنج میں — دیکھ لے جاکر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اُسی سے متاثر ہوکر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جسوقت پیدا ہوگیا — اتحادِ قوم چوں چوں کا مربا ہوگیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے — کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے

لیڈر نہیں ہیں کہیے انھیں سار بان قوم — اب تو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانسامانی کی رسوائی قبول — کیک دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو — کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں — جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں

ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں — وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں — شیخ بیچارہ تو آسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے ہمنے بزرگوں سے مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور بندہ ہے سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھا ہے وہ ہر مری اسپیچ جو ہوش اُڑا دے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و جمیل کا قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش ادھر شانتی بھی ہو اِس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم خر ہیں اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق
ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے

وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم
کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے

اس سے پھر اچھے ہیں واعظ کہ وہ قولِ کفر
ڈاروِن نے تو ہمیں انسان سے بندر کر دیا

کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو
چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو

اے شیخ تجھکو حالتِ جنت سناؤں میں
دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھدے جریب تو

آشفتہ - عنبر شاہ خاں نام تھا - رام پور کے رہنے والے تھے - فاضل شخص تھے قائمؔ چاندپوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے - ایک بیاض ریاض عنبر ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں - ۱۲۳۰ھ تک بقید حیات تھے - آخر وقت میں مرادآباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا - سید خاں کے گھیر میں مدفون ہوئے -

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے - بات بات میں مذاق کرتے تھے - اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بنگئی تھی - ذوق ہمہ گیر پایا تھا - کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے - مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے - تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں -

شرارت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک بوٹی میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی توجہ ایسے شٹنڈے سے اپنے جی کو اُلجھاوے
مری انگیا گئی ہوتی ابھی تو جا کھسوٹی میں

آشوب - یعقوب علیخاں نام تھا - علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے - ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے - مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازاربند
ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازاربند

لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے
کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازاربند

قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے
وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازاربند

کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ
وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازاربند

پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے
بانکا چھبیلا اور رسیلا ازاربند

کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں
کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازاربند

آشوب اُن کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے
اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازاربند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا
کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا

نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر
کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا

میں کیوں سامنے آوں ایسے موے کے
کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا

نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں
بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

اُلگرلیس ۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا ۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے۔ پوچ بے معنی شعر کہتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اُسی کا ہے۔

در عشق تمے جیوڑی پست مچا پخ   یہ پھر کی وہ ونا یہ غچ وہ غچا پخ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹل کے معاصر تھے۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے۔ ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجب خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ مسٹر الیف فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے اُن کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تذکرہ خمخانہ میں اُن کو دہلوی لکھا ہے۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے۔ میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے۔ مثلاً "پناہ لڑائی وجوڑائی میر محمد جعفر زٹلی بڈے بھائی ہر روز از وباؤ میالی سکھی باشند۔ از سید اٹل بعد از دھینگ وجوہار بہت وبسیار ومنوہار بشمار او جھل ومخفی نماند۔"

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "امنگ ملاپ واشتیاق آں یگانۂ آفاق از حد برگھٹ و بنپت بیروں واز جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا حوالہ نمودہ دو انجم مے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا۔ جو کچھ ملسکا یہ ہے۔

چھپر میر اٹل زبارش و باد — می چکد ہمچو کہنہ بند وکشاد

تجھے دے خدا پھول پھل دودھ پوت — چو سُبْحَانَ حَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے — جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج — زلفان کج وابرو کج و مژگان خنجر دار کج

ظالم کمالے شوخ وشنگ وبیمروت پرجفا — دستار او مکدار کج زلفش عجب بلدار کج

کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہر وہ ترچھی نگاہ — گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج

ایں طرۂ خوش رنگ او نیرنگ کاری بر دل — گاہے کج و طرّہ کج واس طرّہ پر ہر تار کج

....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی — روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اُچک اُچک

اثر۔ سید مخدوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبول کے خلف اکبر تھے۔ فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی سی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے۔ ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے - مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا - کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا - مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کرکے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفائے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے -

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا نہ گزر کیا   جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے   بات پتے کی جو سُنی کھو گئے

اُجاگر - مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں تاہم مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے - سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا -

---

احسان - حافظ عبدالرحمٰن نام تھا - دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے - شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے - استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور روسا اور شاہزادوں کے استاد تھے - تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے - مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی - فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا - بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعرا ساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے - ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں" لگا دیا تھا - کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا - یعنی - وقت -

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں - فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا -

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد — خواب ہر سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے - اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے -

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے - شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور اُن سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی - ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوے یہ شعر کہا تھا -

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا — جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے - اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں - تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے - بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا - اور کچھ درماہہ معین تھا - ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا -

صید ماہی وصید دل شاہا — خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا — یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے — وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے — صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آجا نہ سکتے تھے - سلام مجرا سب بند تھا - آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد ورفت جاری ہوگئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں ۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں ۔۔۔ کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہو ۔۔۔ سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احسان ۔۔۔ خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو ۔۔۔ قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا ۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں ۔ تمکنت ۔ غرور ۔ خودداری ۔ نام کو نہ تھی ۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا ۔ اور تا حین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے سنہ ۱۲۶۷ھ میں بچاسی برس کی عمر پاکر انتقال کیا ۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں ۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں ۔۔۔ لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا بچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں ۔۔۔ مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بجا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو العینی ۔۔۔ جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آ جانا
ولاد و زلف سے دل درتہ سے کہتا ہوں ۔۔۔ کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تیسرے مہینے میں ۔۔۔ ہے نادہند آپ کی سرکار ریلے طرح
نہ چھوڑ زندہ جی شیخ اب تو شیخ کا اخلاص ۔۔۔ اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
دھونڈھتے پھر شکم ہیں سا امن دولت کو ہم ۔۔۔ یاں تو دوزخ کی پڑی ہیں گے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ ۔۔۔ آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نگلے انگور | اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم
خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں | مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
شکم پرور قیامت کو پہچانیں تو میں جانوں | کہ دوزخ لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
دو بھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو | وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان - احسان علی نام ہے - صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے - تجارت وحرفت سے کسب معاش کرتے ہیں - جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے - دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں - چونکہ استعداد علمی معمولی ہے - اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے - غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں - ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا - جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں - راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں - نمونۂ ظرافت یہ ہے -

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے | آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار | اب مسیحائی میں رہا کیا ہے
چوچ دکھلا کے مجھسے کہتے ہیں | یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے
دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے | نوچی کیا اور نائکا کیا ہے
سن لیا ہے جو نام احساں کا | کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے
جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی ہتیں پر | اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر
یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر | حبشی بچوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک چیں پر
آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو | نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر
تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم | یوں حاشیہ چڑھایا میں نے جناں حسیں پر
مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا | اونچی بھی ہیں کہیں پر نیچی بھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پینک کا رنگ دیکھا ٹانگیں ہیں آسماں پر او ندھا ہے سر زمیں پر
مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی ویلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں جورو بھی مالدار کرتے ہیں
رخچہ مکھی پکڑ کے کہتے ہیں یوں شکاری شکار کرتے ہیں
کیا زمانہ بہادری کا ہے مرد کو مرد پیار کرتے ہیں
آپ کے باپ کا اجارا ہے ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں
مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی الغلو انزانے اتنی کی زمانے میں کہ عطاروں نے رہیٹھے دیدیے آگو بخاروں میں
اکڑ کر بیٹھنا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہوگئے ہیں شہسواروں میں
کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو مل جائے چھوہاروں میں
نکل آئے ہوائے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر بیدھاروں میں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہوگیا ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہوگیا
پھانسا ہے مرغِ دل کو مرے دامِ زلف نے ابتو وہ رشک حور چڑیمار ہوگیا
پھوں پھوں سے بس کے زہرہ کیا آب غیر کا نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہوگیا
احساں رہیگا چوہوں کا یہ دوستوں کے سر گر غیر کو پلیگ کا آزار ہوگیا

کچھ غم نہیں جو زخمی جگر انار بر مرا اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہوگیا
چھکا لگا کے آیا ہے رد دے صبیح پر ابتو وہ ماہ اختر دمدار ہوگیا

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہے   کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں   جسطرح ماہ ستمبر سے نومبر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا   جنتری ہی میں تاہیں ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات احساں   پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے   اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے
تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے   کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑھی   اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد مہ صیام نہ کیوں خستہ حال ہوں   کھائے ہیں میں نے روز وہیں ٹکڑے سنبھال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ   لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذب محبت کا   میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا
لڑکپن میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا   کھلونا ڈھونڈھتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے   ہوا ہے شوق انکو جب سے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے اے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی   صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا   ہو قلم کیلی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

....

جرمنی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام   آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنمخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ رخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑکے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ
غیروں کو پیہم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کیے
لڑھ گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفٰے خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالبًا فی زمانہ وہی ذریعۂ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - سنہ ۲۱ یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اُسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حدبندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں
کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں — خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
کہتے ہو کہاں جائینگے کچا ترے دل کو یہ کیا — وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں — پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
شام و عراق وغیرہ کی سب ہیں تمھاری خاطر — مرقد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ ہٹنے کی سکت — آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے
میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر بھرائے — دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا — وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں — بسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ — بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بندر ہے
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے — کہ میری آہِ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال — میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا
یہ تیرے دہن کی ہے مہک یا بت بدخو — بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے — اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
ہیڈ کر دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے — گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے
جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق — روغن زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر
اُسکو کارڈ بھیجدیجے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقائے خاص کے بھی شیخ جی
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوے

ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار ہی
دو مہینے ہوگئے ظالم کو ٹر خاتے ہوے

ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل
فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوے

گُل عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح
ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب نذر صرصر ہونے والا ہی تو اے بلبل
یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تونے بنائے ہیں

وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو
خدا کا شکر ہے کالج میں سب سے فسٹ آئے ہیں

مزا لوٹا نہیں گلچینی باغ محبت کا
ابھی تک آپنے اے جانِ من کوے اوڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کردے
مجھے بندر بنادے یا انھیں کو تو گدھا کردے

وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا
جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے

دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ
وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے

وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں
الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہی قیس دور سے
چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

....

....

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرالینے کی عادت ہے
ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور اُنکی آرزو یوں ہیں بہم گویا
رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہوکر

اک پردہ نشین جیب سے کرایہ پہ ہے اسمیں
رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوے ہیں وہ سرِ بزم
پاجامے میں اتنا بھی نہ بوداہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں
اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دلمیں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار
نوبت آے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں
لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہاے تقریب وصل کیا ہو گی
اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جاکر اُن کے کوچے میں
کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی تمنے
کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا
گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں
نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دورِ سبو ہے اور وہ یوں بے لکان ہے
گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھاکے غیر وفادار بن گیا
ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر
پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گریہی | حلوا فروشش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل یہ مار و عدو کو | یہ آس الّو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں | میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے پہونچے کونسل میں | ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا | یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا
کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے | تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا
وہ مرگ غیر پہ اظہار غم کریں کسطرح | کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہوکے ارزاں بیچ یہ سیب | جیسی چیز کو ہم نرخ شلجم کردیا
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری | کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کردیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جلوں اے ساقی | مجھکو کچھ اور نہیں چاہیئے کنستر کے سوا
اور بھلا کیا مجھے پاداش کا صلا کیا ملتا | حضرت بوٹ کی سرکار سے ٹھو کر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوۃ | شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے | شب لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح | جو دیکھے یہ سمجھے مسمات ہے

جا گیر نجد کام ہی آئی کہ آخرش | مجنوں کا خاندان زمیندار ہوگیا

لکنت نے خوب کام بنایا دمِ وصال — انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں ضرور — شاعری مجھکو کر نہیں آتی

دورِ دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا — خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پیسنے آئی ہے تربت میں مجھے چکی مگر — لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر — ہے چڑیا ماروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مستِ خرامِ ناز ہیں — یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں — دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

اُنکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم — کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیریں لب — ہم بھی شبرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم — آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو ففٹی میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ — کون کون اپنا شریکِ قبر تنہائی نہ تھا
مونڈنا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال — خیر گذری جاننے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں — ان کے ہاں کتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرض مطلب آئے عدو کے گھر میں | دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں | ان بالشو تکوں سے ہی ملک جاں خطر میں
ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں | نکلا اک آ کے گھر کو ہو بیٹھا اک انکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جائے ہے غنیمت | گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہو کیا اگر میں
کلو ملیں تو شاید طے ہو رہ محبت | ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں
کل قصد ہے جو نا صح تشریف آوری کا | پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

.... | ....

بوسے میں ہو ملاحت گالی میں ہے حلاوت | کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

.... | ....

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا | مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہو کج سر میں
کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا | اب کیا بتائیں تکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے | چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہیں ان کے گھر میں

اسد۔ جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں۔

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسوانکی | یہ ہے تاثیر یورپ کے جنونِ فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مر جا غیرے میں نے کہا اوں ہونھ
بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے
سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلفِ پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اسنے خنجر سے
ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر
ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹپّی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا
چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

نبی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاؤ
چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹیاں کی

دکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدانِ فضیلت میں
ترقی خیز سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار- زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے- فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے - نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں - میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں - جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا- بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے - کلام کا نمونہ یہ ہے -

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے
اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمینڈس
مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھیڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں
نفٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلیس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونھ
ہیں بچھڑ نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دوپٹا ہیں باندھے ہوں صافا
جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

اُلو میں نے تجھے بنایا
مجھکو کھوسٹ خطاب دیدے

رکنا کرتا ہے سخت نقصان | جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے

.... | ....

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رخ یار کا ظلم | خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھانی پڑیں حجامت پر | سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں | سنکھیا کھالے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چار پائی کا | نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں | حسینان جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے | میں ہوں ولد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سر رشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم ورواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانائے مذکور کا ایک رنگ ہے - بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا - آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے مگر باوصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا - اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے - تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا - آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں - اور ایک کلیات نظم یادگار ہے -

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے - یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے - جس میں نصایح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے -

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار | یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار

کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ | گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار

تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے | اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار

ہیں دو حریف مقابل لئے بھری گتکا | ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار

جو اس نے پانوں بچایا تو اس نے سرتاکا | دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار

عجیب ٹھاٹھ نئے پیترے غضب پھرتی | نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھکر چکر | کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گو ہار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے | مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں | نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار

کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی | کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار

جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر | میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت — کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں — سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ — کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشقِ زار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ — کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار

کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو — نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم وغیرت وعار

جو اپنے فخر پہ آئیں تو بس کریں تسخیر — حدودِ ہند سے لے تا بہ فارس وتاتار

ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البرنہ — پڑا ہے نیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار

وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز — اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ ذخار

اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر — سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار

کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن — وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار

جو ان کے دیکھئے دیوان تو بور کے لڈو — غلیظ وگندہ سراسر نتیجۂ افکار

وہی ہے شاعرِ غرّا جو بے تکی ہانکے — یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار

یہ اُنکی طبع بلند اور معنی رنگیں — جو طبع گِدْ ہے تو معنی سڑا ہوا مردار

نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی — غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد وظالم وغدار — ستم شعار دل آزار بے وفا مکار

ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منھ رہا نہ کمر — بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار

یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول — پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار

جو نون ہال کی محراب ہے خم ابرو — تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار

زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا — بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہو گا بیڑا پار

شبِ فراق کا دُکھڑا اگر کریں تحریر — تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار
وہی لنڈوری ہے قمری تو پرنچی بلبل — وہی ہے سرو کا ٹھنٹ اور طول قامت یار
غریب شیخ پہ ہر دم دو لتیاں جھاڑیں — کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار
یہ کوستے ہیں آ سے یہ مریدنا ہنجار — ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر
جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ — ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سبخوار
نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب — یہ اُن کی نور بھری شاعری خدا کی مار
ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا — اور اُن کی بندش مضموں ہے مکھیوں کا شکار
وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون — بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار
سدا اور دغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن — چپک رہا ہے لبوں پر جو شیرۂ گفتار
لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ — لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار
کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت — بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار
جب اتنے ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد — تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار
کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض — تو پھر سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار
بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں — جو فی المثل ہو کوئی کور دہ کا نمبردار
ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں — لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار
مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹینی مرغ — لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار
وہ خود فروش بنے آج اُستاد زماں — کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار
اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل — تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار
اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے — جہاں کہ آتے تھے یہ بھانڈ کاغذی ہوار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر
کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار

وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے
گیا ہے قافلہ دور اور ڈھونڈتے ہیں غبار

وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سڑیل
ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھئی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود
پڑھتے پھرو اب اُن کے مزاروں پہ درود

کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے
یا اتنی ہی پونجی پدرم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام
جب بیع مساجد سے نہیں چلتا کام

تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو
جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بے کار نہ وقت کو گزارو یارو
یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو

برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم
کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز
سب کرتے ہیں دندان ہوس اپنے تیز

چڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے
گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۳۵ھ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بد نصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کرلیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرتے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود اِن کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میوؤں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کرلیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس میرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے بافضل و ہنر	از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم	اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت بُرا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کرچکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدماء سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما	زیں اشتہاے بیحد و مالا کلام ما
با ما کسے چگونہ زندلاف پرخوری	کایں سکہ راز دند دراول بنام ما
گر روزی تمام خلائق کند جمع	گردد غذاے مختصرِ صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است	سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما
قنّاد راز ما برساند کسے سلام ق	وانگہ زروے لطف بگوید پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست	دور از مروت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربتِ تاریخ عافیت	پیش از سکنجبین بجہاں شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب	سوز سمندری کہ کند قصد بام ما
مشکل کہ روز حشر برآریم سر زخاک	تا بوے قورمہ نرسد در مشام ما

بوے نرسد شام ز قرمہ بمشامم	گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق	یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم بمجرم	صد پارہ کنم کون رنِ شمر و شاں را

دستم مزن بر دل دگر از درد و غم درگزر	دیگر میا در در فغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را | میخورم هر چه هست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند | قامت قند سرو بالا را

.... | ....

یک شتر از خربزه کو تا که بر ہا نم کنوں | از کف ایں ساربان ای دل مہار خویش را

کو شخص کریمے کہ دریں موسم سرما | ہر صبح ہریسے بہ گزارد بہ بر ما
از بوے خوش قرمہ فزوں مست و خرابم | از محتسب شہر چہ اندیشہ چہ پروا
در چین و خطا رفت حکایت ز صفاہاں | بر قاب پلو دست کشادم چو بہ یغما
نان تنکم ہست بیار ید کبابے | کیں جامہ بود درخور آں قامت رعنا
یک بیضۂ مرغے نہ بود در ہمہ عالم | شاید کہ بجوئیم ز سر منزل عنقا
شب تا بہ سحر باشدم از فرقت انگور | از دیدہ بدامن ہمہ دم عقد ثریا

گزر پختہ اگر شام خورم نوبت صبح | یاد گوزم ہم اندر شکند سندانرا
اگر از نقل بہ سازند مراز نجیرے | ہمۂ عمر بجاں می طلبیم زندانرا

تنہا ز بوئے کلہ نہ از پا فتادہ ایم | کز سر بدر شدہ است بیکبار ہوش ہا

تمام سال خورم حسرت شب رمضاں | از انکہ از دل و جاں مائلم زلیبارا
بروزگار چو ما ہر کہ بے مربی بود | نہ بردلذت شیرینئ مربا را
دو صد ہزار فدک میدہم شمردہ اگر | دو دانۂ ز فدک آورند خرما را

گرچند دنے سیر دُپر میخورد می انجیر را | از قوت بازو بہم بشکستے زنجیر را
وم ازمز عفر می زند در پیش مانا قابلے | کز بانگ خرنشناخته زیر د بم کفگیر را

.... | ....

گہے که گندم سه دانه ام بود درجیب | بعینه درنظرم روز عیدنوروز مراست

خلق را اگر ہمه رغبت به پنیر میش است | بیشتر میل دلم با کرهٔ گا میش است
به ضیافت یه برو شام گرم همسایه | آشنائے است که بهتر زهزاران خویش است
لاغراز کوفته گاو چه گردد فربه + | شیر در عرصهٔ هیجا بہرش چون میش است
خاک وجود ام ار لشگافند تا بحشر | ہرچند جستجو شود از قورمه آرزوست
آنکس که قانع است بیوسے طعام ما | از خاندان آدم خاکی فرشته خوست

با حرمت است نزد قرم سید القرم | چون نزد ماکسے که زآل پیمبر است
ہرکس که ہرشبم به ضیافت صدا ازند | در نزد من به رتبه چو سلمان یوذر است
زردک ہرانکه سیم رخاں میخورد مدام | زرد وضعیف وتنبل ورنجوره لاغر است
ہرکس که خورد پیاز فراواں بروز وشب | اودر جماع با خر مصری برابر است
روغن ندانی ازچه بروے عدس نکوست | ایں نوعروس زشت سزاوار زیور ہست

.... | ....

اسپ را دادم و خربوزہ گرفتم خوردم   حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید   گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چہل صباح پیاپے خورد اگر کس توت   نمیشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم   ز بد اگر شنوم بوز رخنۂ تابوت
مبیں بچشم کم اے دل انار را ہرگز   کہ دانہ ایش بود بہ زحقۂ یاقوت

ہر کہ خاک در فنا دکند کحل بصر   بر سر رشتۂ پشک بہ شب تار رود
ہر کجا قصۂ خربوزہ آید بمیان   بہتر آنست سخن از خرد خرو ار رود

نان و پیاز سیر نخوردیم مسکلاں   مارا کے ارپلو شکمے سیر میکنند

ہر کس کہ خورد کوفتۂ گاو یکدو شب   چوں پیل پیکرش بہ تنش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ   شاہ بازے است کہ او فرھماے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج   شیر دوشیزہ صفت شیر بہاے دارد
فرقہ را کہ بود شلغم و زردک انبار   ابلہی باشد اگر در طلب سیم و زر زند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع   از پیاز است ہمیں دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان ہیبے ار نصیب شود   تمام عمر بہ پیمایم ایں نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے - نمونہ کلام یہ ہے -

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعراء کا
سیدھی ہے رہ بیت کدہ احسان خدا کا

قسمی سے میاں جی کی بچی جان پر مفلس
تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑا کا

بٹیا ہے جو گد کی طرح موذی منعم
ہیضے نے دبوچا نہ دبانے اسے تاکا

اصغر - آپ کا نام سید علی اصغر ہے - شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں - اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری - جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے - انتخاب نظم یہ ہے -

یہ محرم میں ہولی کا تہوار
ہنستی صورت ہے اور دل بیمار

گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم
جب نہ آیا ستم شعار عیار

لگ گئی آنکھ موت آ پہونچی
ہو گئی حس مشترک بیمار

روح قالب سے سیر کو نکلی
عالم خواب کی دکھائی بہار

نظر آیا بہت بڑا میدان
عرصۂ حشر جس کا باج گزار

کوہ آتش فشاں زمیں بالکل
دھوپ سے تیز مہر آتشبار

ایک بڈھا ضعیف ریشائیل
نظر آیا بصورتِ خونخوار

پیٹ میں آنت تھی نہ منھ میں دانت
جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار

ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر
سر بھی جنباں تھا صورتِ میخوار

پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی
تھی عجب مخمصے میں جان نزار

کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت
بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار

پڑھ گیا چند آیت قرآن
کر کے دم - دم میں لایا جسم نزار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ یا ہیں درویش کامل ودیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جائے مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ دلمیں ڈھارس بندھی چلاناچار
پہونچا الدم میں اس فقیر کے پاس دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
مینے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو اپنا مجھکو بتاؤ نام ودیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں دلپہ اٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں اُن کے افعال پر ہوں زار ونزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کر کے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہمنے چمار کا پھر بھی نہ ٹانکنے کو ملا بوٹ یار کا
وہ کھولکر در مسجد پہ صاف کہتے ہیں امام آے مگر ساتھ یہ قطارہ نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچنی شکل اوصاف نہانی کی
یہاں پر آ کے گھس جاتی ہے دم میں عقل ہانی کی
شہیدِ ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم
پری نے بیٹھکر پیچے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر۔ آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے۔ آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں۔ آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا۔ بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ نہایت سخن فہم۔ نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے۔ انگریزی میں بی۔ اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی۔ کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہوکر مقبول ہو چکی ہیں۔ جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق ہے۔ آپ بہ سلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت وترویج میں منہمک رہے۔ آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں۔ اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں۔ اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے
خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے
یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے
یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب بڑے بڑے میں ہوتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب بڑے بڑے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق وصفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے ہیں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے اکبر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے ہیں

وہ کہتے ہیں سوا دیشیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی منماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف احتیاط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

لکھکر عنایت کردیا تھا دستیاب ہوگیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۱۹۳ھ تک بقید حیات تھے - کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں - افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

ہے فیض بسکہ زانیٔ عالم نواز کا — افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس سبب

دیوان میں سب اصناف سخن - رباعیات - مستزاد مخمس - واسوخت - اور ایک مثنوی گنجفہ آفاق بھی شامل ہے - مثنوی چار کمان - مکہ مسجد - چوک میدان - دائرہ میر - چادر گھاٹ - چار محل - اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں - حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان مالا مال ہے - تاجو - رحمت - حبشی بیگم - جمیلہ تاج النساء - لالن - بی جان - چندا زہرہ - گلابو - بنا جمنا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں - صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے - اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح ان کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے - غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پرخچے اوڑادیئے ہیں کنایے اور استعارہ کی حد سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں - وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہگیا ہے - مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے - سر نامہ دیوان پر - جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہوجاتی ہے - بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کانپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم جلنسہ نقل کرتے ہیں -

قطرۂ آب.... کو دیکھ بولے دُر فردش
ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب.... کی آب سے
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اے تجہ کل تجھکو رے کے نشے نے - چمن میں خرد کے خیاباں سے کھینچا
ادھر سے بہار اور اُدھر سے جنوں آکے دونوں نے تجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندہی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں -

آجکل ہے دور سیندہی کا رکھے حق آبرو
ہے مدد گردون دوں کی مال والوں کیطرف

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں
بھڑووں کو نت میسر شال اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی
اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے تجہ بہار اب ڈہل گئی
مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دُکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے
غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجہ پہ تو سچ کہہ
یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہوتی ہے
کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا بو
گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلا بو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے -

---

اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب - پی - ایچ - ڈی - بیرسٹرایٹ - لاہور کا تخلص ہے - آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں - آپ کی شاعرانہ قوت مشق - فکر صائب - تخئل - جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے - اور درحقیقت اردو و فارسی نظموں میں آپ کو یدطولیٰ حاصل ہے - چونکہ آپ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کر کے شامل تذکرہ کرتا ہوں - اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے - کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا - انتخاب ملاحظہ فرمایئے -

مشرق میں اصول دین بجاتے ہیں ۔۔۔ مغرب میں مگر مشین بجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے ۔۔۔ واں ایک کے تین تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں ۔۔۔ مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف ۔۔۔ پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط ۔۔۔ آغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض ۔۔۔ دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق ۔۔۔ کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی ۔۔۔ آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے ۔۔۔ واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کردیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی - ۱۸۶۷ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پاکر ۱۸۷۰ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدائے عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا - اور باانیکہ آپ رنگ قدیم
کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر
ہوگیا - اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات
کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گردیدہ اور
دلدادہ ہیں - آپ نہایت ہی نیک طینت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی
وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا
سرمایہ یا اُن کی ہزیان سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات - اُن کے علی الرغم
آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح - اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی -
زوال - رسوم - تاریخ - سیاست وغیرہ کا مجلیٰ اور مصفیٰ آئینہ ہے - آپ کی ظرافت سے
دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے - اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ
حاصل کرسکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے - حق باتوں کی تلخی
اور پند و نصایح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ
اور گوارا کردیا ہے کہ اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی - ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین
طرز ادا اور سلیقۂ بیان - چستی بندش - نشست الفاظ - تلاش معانی - ہر جگہ حسب محل و موقع
موجود ہیں - جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے
آسمان میں اُڑ رہی ہے - اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے
کی ضرورت پڑتی ہے - آپ کے چند خود ساختہ استعارے - اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے
سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے - اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے - مبتذل نام جمّن -
گھورن - کلو - بدھو - ننھو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں
میں پیش کئے ہیں - اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے - مہمل مہمل
ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے - حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی تظرلب کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور وغل۔ یا عام پند ونصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لاسکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کرسکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست　　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش وسرت رنج ومعیبت کا فرق وامتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں تصوفین کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس پر کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو مے پلا
حلوا اتار رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

لگ گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چل دیئے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلّت بادہ پہ ہو گیا فتویٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت بہ تادلہا
کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن وسلپرہا
کہ سر سید خبر دارد ز راہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا
خود ہمنے کیا ازار اور انگیا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے
نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا
مست تھا دل بھول کر وہسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری
نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی
عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر
گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا
ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ سید بابوا
عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم
کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل
وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات
دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

بچا لیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر بابوے در دھوتی دستار داشت　　باوجودش نالہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست　　گفت مارا خوف فیس و ٹیکس زین کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ　　اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرفت بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر　　چشم بد دور اب بنے ہیں آپ بکسریٹ کے اونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے چخ　　اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے چخ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجے　　گو اسمیں بھی صبح کو نہانے کی ہے چخ

تہمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر　　پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرئے اکبرؔ　　شائد پڑ جاے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ　　جو منہ نا یا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی　　نکلتی ہیں دعائیں انکے منھ سے ٹھمریاں ہوکر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز　　بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف　　جو امر ہے واقعی گزارش کردں صاف
انکار نہیں نماز رونے سے مجھے　　لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیکنام
اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہی پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانوگے تو اکدن بھائیو کھاوگے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی لگاتار ہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جاکے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اوجالے یہ چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چیکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلمیں بھردیں
جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھردیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبرؔ
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کردیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنکس میں　　قلاش کر دیا مجھے دو چار ٹکنیکس میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ　　گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے　　چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ　　لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
ہے تمہاری نمود بس اتنی　　جسطرح ہو بڑی پریڈ پہ لید

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں　　یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں　　کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں　　اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف　　لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ　　گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر　　انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو　　اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کچھ ادائی نہ کرو　　اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور　　کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

اضافہ ہوئی مجھسے گندم پہ مے — یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ بھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت — غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی — نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری سے اُن کی کٹوا کر فلک نے — خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے — کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کہ پیشانی — ترشروئی کی چٹنی جوڑ ہے کھچڑی ہو جب داڑھی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی — چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچہریوں میں ہے پرسش گریجوئیٹوں کی — سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور ہیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک لے شیخ — مجھ گنہگار کو ہے صرف بتنجن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبرؔ — رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اُس مِس کو ساکت ہو گئے — ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

کامیابی کا شد لیشی پر ہراک در بستہ ہے
جو پچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابروے خمدار سے
جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان بادانگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھسے کہدیا
آپ بی۔ اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

ہراک رمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو کبھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبرگنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
داڑھی کبھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہیں

یعنی اردو ہے جیز انھیں کے مذاق کی
اردو کے تین جز وہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھیڑ نے الجھے انجمن میں
اسمیں بک بک تھی اس میں بھکابھکا ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹالدیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

چہرے کے نیچے تھر ہے داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدہ میں صرف ایماں کیجیے
تا کجا عشق بتان سست پیماں کیجیے

ہو یہی بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہیں
ہم سے چندہ لیجئے ہمکو مسلماں کیجیے

ہمارے ملک میں ہونا ہے کیا تعلیم نسواں سے
بجز اس کے کہ بادا اور بھی گھبرائیں اماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے

جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتادی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیٹر میں ہنسینگے جاکے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوے
لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے

دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

پھبتی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے

ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے
القاب میں دیکھیے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش ہو
شیخ کی ریش روز بنتی ہے

مستو نیہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کردیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں
اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم
اللہ کی مار اسپہ علی گڈھ کے حوالے

کھائی مژگان ونظر کی جو قسم بولا وہ شوخ
آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس
کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کھینچ دیا

کمسن مسوں سے آپ کسی شب نہ چوک کرئے
جیبی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوک کرئے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس بت نے یہ کہکر
یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

ہمتو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولوی
کس کو سونپیں تمھیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیات دوم

میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں

پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا اسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

حور مس کو گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے
تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شایق تحقیق کے یہ مضموں سن لیں
انسان کی شکل جیسے میموں بنا

پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا
سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلوکا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے
ہرچہ از باپ میرسد نیکوست

ہوگئی اب خیال کی اصلاح
ہرچہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین نیچری بستیم امید
ترقی را چو آمادہ برآمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم
مدہوش لذتیم ندانم دگر چہ کرد

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر
کرزن چہ گفت دمل چہ شنید و مارچہ کرد

رفت دنبال ڈاروں آں شوخ
بوزنہ ماند و آدمی گم شد

ہیٹ رانہ برسر من جاے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تو اند شد چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے — نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم — ھر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ — ازمہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے میں بھی بناتے ہیں — کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت — ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ — گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پاپیا — املی کی جگہ سگنل تمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تمسے — کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑے گنگناتے تھے لالہ نہ بجن — نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہمسے بالکل وہ اگلے طریقے — کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے — اونٹ کے سولغات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض — کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں — بزاخفش تھے قبل ایکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور — کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر — کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے — لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہو

کریما بہ بخشائے بر حال بندہ — کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں — دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے — بھجن کی دھن میں تردید بت طناز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بقیہ ضرور ہے — اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی — وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا پیدا رگن انجن کی سیٹی ہے
اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پر رکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھکر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی
ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا اُن سے بھینٹ خالی
کرآئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
ابتو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں سامان نہیں بہبود کے
یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی، میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مافک ہے

کاش کر دے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور
کیک تو روز ہے اک رات تیتخن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
ازار بند کو کھہ دیں گے جس بیجا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی بغندے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دستِ جنوں تارِ گریباں کہاں
پائنیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

رشتۂ در گردنم افگندہ بیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی
مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی

کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ مبھوا کبھی حریف موئے صاحب
بجا ہی فرمارہے ہیں جو کچھ حکیم عبد العزیز صاحب

در کار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت
مال حضور بود بہ پیش حضور رفت

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں

فرہاد سے کہا کہ مناسب ہی تجھکو صبر
کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبوں
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمان حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکریں کھاتے ہیں

شراب اڑتی ہے محلس میں رداں ہی خون تقوے کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

یاد کرتا ہے گزشتہ با اثر لا حول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان ان دنوں

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں تھوں وہ ہوالمستعان پر

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

لاکھہ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول
دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا
خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُسکو نہیں آتا انھیں غصا نہیں آتا

غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا
نقاب الٹ ہی دی اسنے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا ہوا کیا

کام اس ملک میں ہو سلطنت گورمنٹ سے کیا
زہر کو ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر — اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ ہو — بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں — چو دُم برداشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا ہے ہیں طاقت اپنی — عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہگئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر — صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں — مرغ شاخ درخت لاہو یتم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہانتک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف — شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جمپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر — انکی مرغی بولتی ہے کمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور — ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

لیے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

یہ چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ — اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں — کافی ہے یہ شرف کہ وفاقی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں — ننگ بد ہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں — بوے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہے فلک سے صلح آخر ہوگئی — قبریں مہیا وہ کیئے تزئین اونکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج باپ اور بیٹن میں
سیاسیات کے نغمے ہیں دلیس کی دہن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا
نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی
لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان
دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں
مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بالے بُندے ہیں
جنھوں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو
کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب ان سے وہ کھیلتے تھے پولو
خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو
شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر
مار ڈالا راویوں نے قوم کو

سرافرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے انکی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو بتیر
ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں
اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو تو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے
اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں مے داخل
شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفسر پہنچے
جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندہ ادا کیجیے
ترقی کے ہجے کیا کیجیے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں
کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

متاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب سے اگن بوٹ میں ہارے
میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے
حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی
ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

نجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے
دلیس کو جسنے بھلایا یہ وہی کھماچ ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر
شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

حضرتِ اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے
اک رزدلیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلسرا سے
جھک کے چلنا چاہیئے ہم سب کو ڈائرے سے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک ایک کے دس دس کیجئے
موت آ پہونچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے
کالج کے چیونٹے لپٹے ہیں ٹیٹری کی ٹانگ سے

نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر
کالا اسطرح دال میں ہے

آمنو میں تو سب کے آگے ہیں
عملوا الصالحات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے
اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے
فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

ہو دسمبر میں مبارک یہ اچھل کود آپ کو
خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھکو بھیا گن چاہیئے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان
خدمتِ قومی میں بارے جاں نثاری ہو گئی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی
لیلی و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے خوب اے اکبر
جو اجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

نہ سہی لطف لحم گھی ہی سہی
شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل
غیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو بسکٹ کے لئے سوجی کی تھیلی ملگئی
کیمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی

تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں
گفتنی درج گزٹ باقی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرت انساں نجات پا نہ سکے
اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی | جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی | اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں | بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر | خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں ان کے منتظم | استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے | مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاٹ میں

دوا ہے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم | قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزل گور تک پہونچنا ہے | خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں آنکی کتاب ردی | بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن | نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے | انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے

کیوں اپنے سر یہ زحمت بیسود لیجئے | کونسل کے بدلے گھر میں اچھل کود کیجئے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب | بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو شر سے بڑھکر دیتے ہیں ٹھرے کے دام | بے حسی کا میکدہ ہی غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں | کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل | ہمنے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا فیض ہوا | کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں | غل مچا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا | اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی | پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

بھرا وہ بنا کیمپ میں یہ بنگئیں آیا | بی بی نرس ہیں جب تو میاں بنے بھی اردلا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرع
آغا نہ سے بدتر ہے سرانجام ہمارا

پیئے ممبری جو ابلے سمجھ اسکو خون اچھا
یہ بجا ہے قول شاعر گزنڈ جنون اچھا

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز
جغرافیہ میں عرش کا نقشا نہیں ملا

فرقت نے کہا کہ جاگئے آپ
کھٹمل نے کہا کہ بجا گئے آپ

ہم ڈنر خواہی و ہم آرد غ صاف
ایں خیال است و محال است و گزاف

کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال
خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر
جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اکبر

وصل کا اُس بتِ خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں
حرف بوسہ میں بھلا اسلف گورنمنٹ کہاں

رسماً تو ایک بوسہ ہے کافی دم وداع
لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندان ہیں
لیکن معائنہ کو وہی نا بدان ہیں

ہجر کی شب یونہیں کاٹو بھائیو
اُن کا فوٹو لیکے چاٹو بھائیو

جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ
بٹھا رہے ہیں وہ سکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ

شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی
ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ
مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہی

دل میں اب نور خدا کے دن گئے
ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

دلیری سکھاتی ہیں ہمکو یہ کہکر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے
ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیبی کا پانی ہے

ٹرخا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کرکے
سید بھی کورے کھسکے برسوں مساس کرکے

برگڈ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے
مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی
اب تو دھن ہے انھیں فرنگن کی

یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی
کلو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں
دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب
اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو
جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی خیر یہ ہے
قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی
آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر
اتنی کثرت ہو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج
ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبیں

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب
فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے
مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دہن دلیس کی بھتی جسمیں گاتا تھا اک دہاتی
بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

شان نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے
مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر
رہنا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا
کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض
کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو
مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے
جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا زردی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنتا
پائنچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رول بات ہو
لطف موسم سے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

خرچ کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا
شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور ہی صورت ہے
وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں ہیں سکے

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار رہتے - باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں - صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے ۱۹۰۵ء میں جب کسی یورپین حاکم اعلیٰ نے ہندستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا - جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی :-

بے ڈھب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو رو سیاہ
کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہمہ حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی -

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں
کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے
وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے
اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے
وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں
ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے
آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی
پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجوئیٹ
انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے
مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام میں امیر
افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے
تصویر میں ہے اُن کے اگر آم رس بھرا
یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . .

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندۂ خدا
دینِ مسیح راست ہے اسلام جھوٹ ہے
ناول ڈرامے سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں چھپے
مطبوع ہند قصۂ گلفام جھوٹ ہے
کہتے ہیں وہ جو آئی کو استار عین صدق
کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

. . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب　　گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے　　آغاز جھوٹ نیز سرانجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الانسان ضاحک صاحب کی منچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آکے اجل نے مٹا دیا　　گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع　　بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھبراتے تھے ولایتی چکر کی سیر سے　　مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں ان کی پورٹ نہ رہ سکی شراب میں　　سینہ میں کے موتیا کے فقط کچھ ایاغ تھے
شائستہ لیڈیوں کا نہ معلق تھا دل نشاں　　ہاں تھے تو لولیوں کے پتے تھے سراغ تھے
باتوں میں چوچلے تھے طبیعت میں شوخیاں　　روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کس نے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ　　وہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

المست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک　　تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک　　تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک
تم ہٹو ہشندر مالک　　تم پورے بندر مالک
تم تیز مچھندر مالک　　تم لال کلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ   تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ   تم شیخی سے اتراو

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو   تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو   تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے   ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے بھٹیلے کے بھینسے   ہو مدہوش شاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی   ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی   کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے   تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے   صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا   تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گارڈ و پٹھانی جھنڈا   تم پا بھو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو   تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلّم رکھو   تم نوکر بودم رکھو

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا	تم بھیا گو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا	یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا - مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۰۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا
ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے بطریق تحفۂ سال نو
اودھ پنچ کو پیش کی تھی۔

مشفق من کیجئے کیا عرض حال — شامت اعمال کا سنئے مآل
زن مریدی کا بڑا ہو کیا کہوں — جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں
زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال — ہے کسی کا شعر میرے حسب حال
حکم جورو جی بہ از حکم خداست — انچہ جورو جی بفرماید رواست
سنت شارع سمجھ کے بے صلاح — اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح
وہ نکاح سنت خیر الورا — میرے حق میں طوق ذلت ہو گیا
حال من از دست بانوابتر ست — در گلویم سنت پیغمبر است
بے اجازت جورو صاحب کے کہیں — میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں
کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار — خودسری سر پر ہوئی میرے سوار
جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن — کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن
رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی — فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی
جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا — گھر میں سے سیٹی بجاتا چلدیا
کی مٹر گشتی بہت بے فائدہ — جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ
صبح سے القصہ لیکر تا مسا — دربدر کی خاک میں چھانا کیا
اب خیال آیا کہ کیا کیجے علاج — میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج
وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں — کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں
کچھ جو آئیں بائیں شائیں بک دیا — عذر بدتر از گنہ ہو جائے گا
میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی — وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں
جان تھی نیچے دروں نیچے بروں

دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا
اک مجسم دیو آتا ہے چلا

کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر
ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر

جب مرے نزدیک بالکل آگیا
میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا

ول تم آیا ہو کہاں سے کون ہے
بوجھ کیا لادا ہے جس سے ڈون ہے

وہ لگا کہنے بکین اے خواجہ گوش
من ز کابل ہستم انگوزہ فروش

سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا
اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا

عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ
ان کو لے چلیئے مکاں پر اپنے ساتھ

لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر
پہونچے خوش خوش تا در نکبت اثر

چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا
سامنا چوہے کو بلی کا ہوا

گو ڈرا میں بگڑے تیور دیکھکر
دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر

بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈینگ ہو
دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے

دل جو دال ماش کو چاہا مرا
جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا

اتفاقاً ایک آغا کابلی
مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی

ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں
ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں

کہکے اتنا گھر میں با خوف و ہراس
الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس

چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے
ہینگ وینگ ان سے نہ تھی لینا مجھے

بیٹھکر کہنے لگا میں انسے یوں
بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں

ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا
بدی کیا اور بدی کا کیا شوربا

رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے
حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے

چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک
کیوں ہوئے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو
نفع جس سے تاکہ اوروں کو بھی ہو

آجکل جاپان ہے حرفت کی کان
جس نے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان

سیکھیے جاکر وہاں کوئی ہنر
زندگی بھر چین سے کیجیے بسر

سنکے یہ باتیں وہ کاہل کا گدھا
یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا

کے خری انگوزہ را وہینگ را
خر چہ داند شاخ را و سینگ را

ہینگ باشد دافع درد شکم
ہینگ باشد نافع ہضم اتم

ہینگ باشد جملہ علت را دوا
ہینگ باشد نوش ونیش جانفزا

ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود
قدر دانش بوعلی سینا بود

ماش را روح روانے چیست ہینگ
قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ

بگزراز جاپان واز جاپانیاں
قید صد ایجاد واز زندانیاں

جاہل اندازدال ماش وانگوزہ
مے ندانند ایں غذاے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں
مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں

سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر
رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں

رشتۂ تہذیب کو تو آج کل
باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں

بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں
جورووں کو اپنے شوہر پاؤں میں

عشق میں اک آسماں رفتار کے
آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں

ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے
کاٹتے ہیں شب کو بستر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے
بجات اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

مطلب نہ زمیں سے نہ لٹھے سے غرض — گاڑھا دہوتر یہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھائے گئے — آپ ایسے گھو کہ اپنی ہی گائے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے — جب ماندلے لالہ لاجپت رائے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں — لیکن تجھسا بھی کوئی منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبوئی بنکے میکش دیکھا — بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر — تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستانِ بےخزاں — قیدِ غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا — آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلئے ناشاد ہیں
انتظامِ مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام — پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول مومن اس کافر نے نالہ سے کہا — آپ کہتے پھرتے ہیں ہم موردِ بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی — ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کر ڈالوں تجھے — کیوں قضا آئی ہے تیری کیونکے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈپو کے منیجر نے یوں کہا — کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیئے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو — کشفات چاہیئے نہ اشارات چاہیئے
اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول — صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیئے
غالب کی پوچھئے تو مقولہ ہے انکا یہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
مجھسے جو پوچھئے مے و معشوق کے سوا — امید سب سے ترک ملاقات چاہیئے

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے - مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشاء کی شاعری کا سر سبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشاء کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - ذرہ ذرہ میں فیض رسانی مہمان نوازی کی صلاحیت

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم وفضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پنچھ گئے - چندے یہ ورزا انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخر الامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہنسوڑ شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداشں میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعال اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں ۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے ۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے ۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا ۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی شاعرہ ہوتا ہے ۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے ۔ حقے پی رہے تھے ۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پہنیٹھا ۔ گھٹنا پاؤں میں ۔ پیکوں کا توبڑا ڈالے ایک گگڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا ۔ کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی ۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تنبا کو نکالا اور اپنی حلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا ۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں ۔ اور گڑگڑی شاک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے ۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو ۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں ۔ سب نے اسکی بات مانی ۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا ۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں ۔ سب صاحب آ جائیں تو شروع ہو ۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا ۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں ۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں ۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے ۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں ۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے ۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آ چکے ہیں ۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعراے دہلی سے معرکہ درپیش تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحبا مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہی کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ تکلیف میں گزرا۔ اور انھیں صعوبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھیے تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاج کی شان موجود ہے تذکرہ گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو صرف اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت ہیچ صنف را بطریقہ راسخ شعرانہ گفتہ۔ حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے۔ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی یخچی کر

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے۔ بعد ازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے بہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف وتصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا وجود اُن کی سعی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آسے کوئی غلطی سرزد ہو معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کیوجہ سے صافا۔ یا پگڑی علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جاے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا۔ نواب صاحب نے کہیں دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دئے نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشا نے یہ رباعیاں نظم کرکے پڑھیں۔ اور غریب مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا   میاں ابر لغات کا گرجنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آگئے — لیکن یہ نئی اپچ اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے — اور لفظ خرد خبا کو خبنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھئے ہوئے لکھنا — تو کر کے رخم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب — قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپچ لے لی ہے — اس تان کے بیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اخبا آیا — سلما سے علوم کا یہ سجنا آیا
اخبا چیز سے ست کال بر دیدنزیا — یہ تخم لغت کا بو اپجتا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آے۔ پہرہ لگوادیا تھا
مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا۔ آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے
سامنے جا کھڑے ہوے۔ نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آے۔ اب یہ پہونچے
ذرا تیوری پر بل آے۔ انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

میں تو کہتی تھی نہ رکھ اے مرے پیارے روزہ — بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جارہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع
حویلی علی نقی خاں بہادر کی
کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں نے
فی البدیہہ کہا۔

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

یہ تاریخ کہی ہے کس لڑکی   حویلی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی، انشا نے صلہ میں پانچ روپے دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت   دل من سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم   دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ یدکو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامانِ تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا   کہ چوں ذہن او ذہن رسا نباشد

یکے شعر نادر کہ در چند وزن   شود خواندہ و شک بمعنے نباشد

دراں لفظ ید را بہ دال مشدد   نوشت است دایں غلط اصلا نباشد

شنید ایں سخن راچو گرد سخن   ز انشا کہ ہمسرش اصلا نہ باشد

بگفتا کہ من شاعر خش نکرم   چو من ہیچ مغل گویا نباشد

تو گلستاں راندانی درست   ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد

سند یاد از استاد است مارا   بہ کلام ما ہیچ خطا نہ باشد

چو تشدید در شعر ضرورت افتد   تشدید صحیح چرا نہ باشد

گیان چند ساہوکار کی مارواڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں، کھٹملوں وغیرہ کی ہجووں میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ وہ اکھیاڑے کہیں کہ توبہ ہی تو بہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے، انشا کے لئے کوئی بھی قید نہ تھا کہ وہ حیب ہزل۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تبھی ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا دو چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے۔

لیا گر عقل نے منھ میں دل بیتاب کا گٹکا — تو جوگی جی دھرا رہجائے گا سیماب کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت دنا قوس کا جوڑا — لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

ملے یارے سے جو ہرتال کرکے راکھ کا جوڑا — تو تانبے سر جی انگلیں کوئی نوے لاکھ کا جوڑا

نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تلسی داس جی صاحب — لگایا ہے جو اک بچو ترے سے مٹے آکھ کا جوڑا

لپٹ کر کرشن جی سے رادھا یہ ہنسکر لگیں کہنے — ملا ہے چاند سے اے لو اندھیرے ماگھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا — نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر — اوتار بنکے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا — ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا — تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگاں سے اشک خونفشاں کی میدنی — جیسے بہرایچ چلے بالے میاں کی میدنی

رات وہ بولے مجھسے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں — میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہی مقطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے — یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

ڈر وحشت کی وہوم وہام سے تم — وہ تو ایک دیونی د بنگی ہے

جوگی صاحب آپ کی بھی واہ — دھرم مورت عجیب کڈھنگی ہے

چشم بد دور شیخ جی صاحب　　کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا　　جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا　　جب دھم سے آ کہونگا صاحب سلام میرا

ہیں روز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر　　نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر

تعویذ لال ہی کے نہ پھرئے گھمنڈ پر　　اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر

یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے　　پتے بچے کبھیں رہے آفت ا رنڈ پر

دو تین دن تو ہو چلے اب پھر چلو وہیں　　فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر

وہ پہلوان سادہ لب جو پہ ڈنڈ پیل　　بولا کہ کوئی عشق تو ہو ایسے بھسنڈ پر

انشا بدل کے قافیے رکھ چھیڑ چھاڑ کے　　چڑھ بیٹھ ایک اور بچھڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر　　بنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ　　عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھ سے ہنسوڑے کی خیر　　تو یوں دیکھ اس گوٹے جوڑے کی خیر

کداوے نشے کے مرے رخش کو　　میاں ساقی اس سلفے کوڑے کی خیر

ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں　　نظر آتی کچھ اس نگوڑے کی خیر

لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک　　ارے اپنے سوتے کی توڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے۔ ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ اُن کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلّی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذومعنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اُس کل کے دوپٹے سے ۔۔۔ جو حال ہوگیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
مجھ سے نہ اکڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی ۔۔۔ چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی ۔۔۔ جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں ۔۔۔ ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی ۔۔۔ منھ دکھاوے نہ خدا آپ سے ناداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے ۔۔۔ جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم ہے یہ بیڑا ۔۔۔ ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھکو ہے لبیٹتی ۔۔۔ ہے ہے تری نگوڑی کیا مانگتی ہے پیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہول اُٹھی ۔۔۔ لگجائے اُنکے منھ پر از غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنسکر کل وہ پری یہ بولی ۔۔۔ کیوں تم نے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا ۔۔۔ دماغ آکر انھیں میں پھنس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سینے لگا ہے ٹوہ میں میری ۔۔۔ ہوا دربان کا اڑ کا بلیٹڈ و تجھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات جیت اس تک پہنچی ہے ۔۔۔ دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

مجھے بگڑا نہ تھا انشا سے میں نے بات کرتے کل
بگڑنا - کام ہے تیرے بیاں تو بیچا ئی کا

چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا
کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دگانا

چتون تری بس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے
دلّی کی وہی جھیل وہی نہر دگانا

نوج ایسے کہیں اور رہوں گھر کھوج مٹے لوگ
سب تاڑ گئے ہے یہ بُرا شہر دگانا

میں تجھسے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا
اللہ ارے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑگئی فاختہ کیوں سرو پہ دم دیتی ہے
اجی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے کھٹکا لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا

اپنے کوٹھے پہ کچھ اسطرح سے زنجیلا کہ مری
لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سختی کونسی منزل انشا اسکا نام بتا
ڈرسا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تمنے پر بیتی کہانی تو بنڑی آنا
آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی انا

پاپلی ٹھیکری اک ڈھونڈھ کے لادے جس سے
اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی انا

کٹ تو نا شے سے ہوئی دیتی اچھا تو ہوا
کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی بیڑی انا

نہیں سنکار لیا تو نے تو پھر انشا نے
میرے دروازے کی کیوں چول اکھاڑی انا

اپنا جو دکھاتا ہے ہمیں زور نگوڑا
صدقے اسے کر ڈالئے در گو رنگوڑا

میں چیخ پڑوں کیوں نہ جو لے انگلی میں اپنی
ڈالے مسل انگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسایہ میں کو نبھل ہوئی کل رات کو انشا
گھس اُسکے زنانہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت بے سُری ہے حد بُرا تیرا گلا
خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں پڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سونے میں ڈلا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں
دا چھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا
بی بی ہمسائی نے دی جسمیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے تو لوں تو بچ کوئی مٹھی بھر
بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھ لے انشا مرے یہ بالوں کی
دے چنبل خور کے ہونٹوں میں تو اک آگ لگا

کمبخت ہے وہ کام دُگانا بہت بُرا
صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت بُرا
دلسوز ہے دوا مری پر اُس کا ہر گھڑی
لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو اُکتی نہیں جائیگی مرے عیبوں سے
اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا
ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے اوسقہ کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی سہو کتیر جس سے
اسکی ابتک نہ گلی دال نہ چانول کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا جسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا

گو کھرو لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز
اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا

گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

بی بی سغلانی جو سی لائیں تھیں آئی پسند
بیگما جی نے وہ ساون کے سے ماری انگیا

جسمیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ڈال
پھلا میں کیا کروں بنگالے ترے واری انگیا

اوڑھنی مجھسے جو بدلی تو اجی باجی جان
وہ بھی اک دیکھیے جو ہو بھاری بھاری انگیا

تھی عجب کوئی سگھڑ جسنے یہ کاڑھے بوٹے
وا چھڑی بنگئی اک پھولوں کی کیاری انگیا

ہاتھ انشا کا کہیں چھو جو گیا تو بولیں
تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے ایسے آج ہیں کیا اے دوا
ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تجنے جو میرا اوڑھا دوپٹہ ہے دگانا بات کیا ہے
لگتا ہے ہمیں دونوں کو بھلا یہ دگانا بات کیا ہے

ایسی نہ چالیں چل تو ہر ہر جا دبھری جو لوگ کہیں
آپس میں ہی ان کے ٹھٹا ہے یہ دگانا بات کیا ہے

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر جا بیٹھے کوئی بوڑھا سا
انشا تو ہے ہنسا کہتا ہے یہ دگانا نات کیا ہے

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کہ منڈیروں سے اُدھر
صحن میں ڈیوڑھی میں یا اوکہیں ستوے پھوٹ

سر ہلانے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسوقت
کسجگہ کب وہ کہ ہر یاں کہ وہیں ستوے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹا چٹ
اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ

دم دلاسا بث نہ دے آنا
چل پچھی دور ہو پرے بھی ہٹ

چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا
جب سنی اس کے پانوں کی آہٹ

مت اجڑ گئے سے بھڑ اور غش نہ کھا کر گر   بیکلی نہ کر آخر چین نے ذری کم بخت
کچھ تجھے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او کمبخت   تماشہ جاویں گے بڑے لوگ ارے او کمبخت

انشا سے ملتے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا   جما ہتا پہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو عبث

سارے بھوتوں سے پرے ہو یہ موا خواجہ خبیث   مجھکو گھورا ہی کرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں   موت کے اب دن بھرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
بیگم انشا سے جیسی دیکھیو بس گرد   رشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجہ خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج   اے دوا جان وہ کمبخت برا کام ہو نوج
مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں   جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دل دہاڑا ہی رہے ، جی تو بچے اے انشا   کلموہی کالی بلا ہائے وہ دوپہر شام ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر غش ہے تو   مفت ایسا بھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج
نات کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں تو بولیں   میسرے کپڑوں کی طرف دیکھیو در شٹا تکو سوچ

کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے او لوگو   آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح
کان کی لو میں گھسی موتی سی بالی کیہ نکر   جسکا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سوراخ

بلائیں منہ چولیں اُنکی کل چٹاخ پٹاخ   تو کس مزے سے کہا بیگما تے چل گستاخ

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ — مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس لے دوری — ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
بیر چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل — بنتو اب منتیں کرکے تری باری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں — پاجامہ یخ ہے برف ہے ڑادلا ازاربند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پہ رات کو — وہ گچھے دار آپ نے تو لا ازاربند
کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا — ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازاربند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے — دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازاربند

ہے تو سہی اجی یہ نکیلا ازاربند — لیکن کسی کا فوج ہو ڈھیلا ازاربند

اے دگانا مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ — تو کیا کر آج سے تو بھی بس اک اکیس ڈنڈ
جو پری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں — لوٹتی کیا کیا مزے ہو یہ موئی شفتل ارنڈ

جو مجھے لوٹ کے سو ایسی کرے — ہوتے سوتے کو اپنے کھاوے بچھاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول — ارے او پے سرے نگوڑے کواڑ
لے چل انشا مجھے کھجور تلے — یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آتو کو — آغا جیا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پوتوں پھلنا تجھے اور وہ پھوں تمانا ہو نصیب — بیاہ ہو سونیکے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات — گھبر گئیں بطنز سے انشا کی تمہاری بی تماز

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی
اسکے یہ معنی کہ ہیں ٹوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش
تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش

ادٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج
میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش

میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے
اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

ادئی رابیل ہو گئی میں آج
گورے گورے ترے بدن پر غش

یونہی میں غش ہوئی دگانا پر
راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص
اجی دد کواریوں میں نوج ہوا ایسا اخلاص

نہ بتولے مجھے دویاں سے اُڑنچھو ہو جاؤ
کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زناخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط
مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو بے لحاظ
سانس مت بھر او دگانا چپ اری او بے لحاظ

ہوتے سوتوں سے کہو اپنے چہ خوش لے دا سے چھڑے
دال نے ہو ہیاں بھلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہمان مرے دل کا شوق
تمکو کیا اس سے ددا جان مرے دل کا شوق

بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں
نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق

طعنہ مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہوں
جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق

منتیں مت کرو انشا کی طرف سے ادسپر
میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

ہے جو دروازہ وہ دگانا کا کا — اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اُس کی زنجیر بھی نہیں لگتی — آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشا نے — کل چبھو دی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم — ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں — جو نہ سمجھوں گی زنا خی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھیڑ خانی کی باتیں آکے ہم سے چھیڑیاں — سیکڑوں یہتے یہاں رگڑا کیئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہولی کہارو — نہ مجھسے کرو بولی ٹھولی کہارو

بل وہ لائیے کمبخت جو چٹ چاہی ہو — اجی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے واہی ہو
پھر جو بول اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طعنے دوگے — قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

تم بڑی قہر ہو اے باجی جان — نوج تم سی کوئی چھیتسی ہو
اے دگانا تری مشتو لی کو — چیز اک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں تری بولی ہی تو — اے ددا قرباد گئش بڑھیا کی ہمجو لی ہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں — در کھے بات کچھ جی میں بھری ہو سواگل ڈالے
فضیحت کا لنگوٹا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے — بڑا دانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو مل ڈالے

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے
بڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے

مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تا کند سا پھرتا
مبادا اے دوا جی وہ کہیں تمکو نہ کہندل ڈالے

غلیلہ پھر اسے گھڑیاں کا کیونکر نہ ٹھرا دیں
نگوڑی یا دلی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے

دگانا مدھ میں جو بن کے بھری وہ وقت آپہونچا
کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے

اری تو ابلی ہی پڑتی ہے مارے جھل کے اورنڈی
خدا ایسی بھی دیدہ دنیں کیسکے تو جھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے
نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے

رضائی شال کی اوڑھ ہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچ کچا کر کل اُن کی ران کاٹی
تو اُن نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھکا مجھپہ کوئی رات کا جاگا جیسے
تم تو وہ چاہتے ہو موئیں ہیں دھاگا جیسے

یونہی ہر بات میں بولا کرو مسکرہ سودا
ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے

ڈھال تلوار لیئے لانگ چڑھائے انشا
مجھسے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا
میری چھاتی جو چھوئے اُسکی ہتیلی جل جائے

پڑگیا نیل مرے گال ہیں کیسا قہر ہوا
ارے کمبخت نگوڑے بڑے بچھیر چٹکی

ہو گئی ران تو سب لوہو لہان اے انشا
دیکھ میں چیخ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

چپکے دیتی کھول کنڈی لینا انشا کو بلا
ڈر بھلا کیا چاہیئے دربان یو یکا تجھے

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی — ابتو نوبت بجی اٹھو ابھی باجی باجی
اے لو اس کوٹھڑی میں پیر ڈرانے کیلئے — اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی — لاوے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سرڈھپے ہوے تجھے کیا چاہئے بھلا — بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کوکا جی دیکھیو میرے دوگانا پہ کیا پھبی — پشواز اودی اور جلا جھل کی اوڑھنی
انشا کے سونگھنے کے لئے اُن نے بھیجدی — جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں شاندار بھائی تیرے — صدقے قربان جاے دائی تیرے
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی — بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے — گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے — بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانجا تو نگر عبث فضیحت ہوگی — آ تو یہ سنے گی تو قباحت ہوگی
چالیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق — اک روز بڑی بڑی فضیحت ہوگی

انعام - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سارن کے رہنے والے ہیں - حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے - عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیے شلوار زرہم سکہ در تار داشت | باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست | گفت نارا قرضہ بقال بر ایں کار داشت

سیٹھ اگر نہ نشست با مانیست جاے اعتراض | مالک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگرید این تنگی حال مسلمانان سندھ | شیخ سندھی خرقہ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضہ خود گو و راز بھی کمتر جو | کہ کش نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را
من ازاں سود روز افزوں کہ قرضہ داشت دانستم | کہ قرض از کمینہ سندھی بارد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں دھنیہاے شوخ دعوتی پوش شہر آشوب | چناں بردند سود از ما کہ ترکاں خوان یغما را
ہمن دادی و خورسندم جزاک اللہ نکو کردی | ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

غلام دعوتی بقال تا جبدار انند | خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار انند
گزار کن چو صبا در دیار ہند ببیں | کہ از تعاول بنیا چہ سوگوار انند
ترا بیارج ورا آب دیدہ شد غماز | دگر نہ قارض و مقروض راز دار انند

انوری۔ محمد اوحد الدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدہنہ ایک گاؤں ہے جو مہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۲۳ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوے۔ بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو لکھکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی اوڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بد نام برا۔ لیکن قاضی حمیدالدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اسپر بھی انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۸۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مدمقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اُس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچتی ہے۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

میں ہے ۔ ملاحظہ کیجیے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں ۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجای — کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی — تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوے دشت — چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر — چند خر دیدند در صحرا چراں
و خرے بر مادہ خر رغبت نمود — بر مثال عاشقاں با دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس — گادنی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید — تیز می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید — بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند — بر کسِ ما می رینند ایں شوہراں

زعیم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن چونماں — کہ گوئی عنکبوتے بر کسِ گادوے تنید ستے
سرے دارد گل دہر جا موے رستہ دو راز ہم — کسِ گوی براطراف کدوے خشک کے یدستے
بجائے ناف چوں دایہ درا دل سر بریدیش — دریغا گر بجائے ناف اور کے ان دریدستے

آنکس کہ جگر خورد و بہ مردی ہنر آموخت — در دور قمر گو بہ نشیں خونِ جگر خور
پیغام زناں می برد و پیالے بہ زر پوش — یا مسخرگی می کن و حلوائے شکر خور

اوج ۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا ۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے ۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے ۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں مہنک اور سربگریبان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے۔ اسوقت کے لوگ مہذب تھے کسیکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منھ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہوتی۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہجاتے۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ادھران کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈہا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے ان کی مشیخت آبی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہوجاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کردیا تو اوج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا۔

غالب آسان نہیں صاحب دیواں ہونا ‏ دیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔ ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتنی انعام دی۔ چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوے انہوں نے شعر کہا۔

جھمنوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے ‏ نجومی بنکے جو ہتنی کا دان لیتا ہے

دلّی میں شیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی۔ اوج کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔

مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی ‏ بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہوگیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے۔

الٹی ہے بہتی گنگا بھی بھون کے اندر ‏ ہیں مچھلیاں بھونکی جبین پرشکن کے اندر

ہے مہر شمع واژوں اس انجمن کے اندر ‏ دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا

میں وہ ہوں نخل ہو سے سلسبیل دریائی | مری ہے کشتی گل تار جبیل دریائی
مجھے اترتی ہے گرداب آسماں سے وحی | ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی
میں کالا پانی پڑا نا پتا ہوں ہر شب وروز | زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی
بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار | مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی
جہاز ہے مرا اک تار لنگر دم پر | مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی
میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا | حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی
ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے | یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی
ہے اوج مردمک دیدہ مردم آبی | نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر | طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جب تھا در گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں | بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا | لے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے ہو مجھکو وحشت سرائے الفت | سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا
کسب شہادت اچھا ہے کس کو یاد قاتل | سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
بھاتا ہے جوش عشق شیریں دشوں میں رونا | ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی - مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم وفضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا- زیادہ حال معلوم نہیں- اس لئے تھوڑے سے اشعار نظر لیفادہ جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں-

عارفے مشد بخواب در فکرے | دید دنیا چو دختر بکرے

کرد ازدے سوال کاے دختر | بکر چونی بایںہمہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست | کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا | ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت | کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ | پند گیر از خلائق از من نہ
در زناگر بگیردت عسسے | بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند | گر تو بہ گزاریش چہانہ کند
از من و مادرت نہ گیری پند | چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن کہ آب دہیمہ نماند | ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے | صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو گور افتاد | زندہ تواں بے کفنی بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودہ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اُٹھنے لگے جمنا سے بخارات سودیشی | لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں اُنکی حرارت سے نہ تبخیر ہو پیدا | تا چرخ چمکنے لگے ذرات سودیشی
جب بھو نکدیں بادل میں لگا پانی برسنے | ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
یورپ کی نہ مکئی ہو نہ امریکہ کے گیہوں | بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم | ناگور کا ہو بیل تو ہو شان سودیشی
غلے کی بساط ایسی بچھے ہند میں گھر گھر | اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی (بجز ہی)
سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولھے میں جائیں | اب بیچیں گے عطار نباتات سودیشی
برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑ لیسے | آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی
طاعون کا کھٹکا ہو نہ ڈر قحط کا اے پنچ | ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب بائے موحدہ

باپ - مادھو رام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں - مکرمی قمر بدایونی - اور جناب حکیم حافظ عبد الرحمن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا - لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے - قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی - ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوے اور اپنے ایک شاگرد کا دادا تخلص رکھا - مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں - باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کرکے اسی مشاعرہ میں سنایا - روے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ؎

وہ تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں | مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی - اور عرق شرم میں نہا گئے -

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے - نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے - دیوان کا انتخاب کرکے یہ چند شعر درج کیے جاتے ہیں

ہر اک بات میں اوہی رے مار ڈالا | کوئی تجسے بڑھکر زنانا نہ دیکھا

چرائیں کبھی ہم گھاس کبھی ہم ہی لائیں ہمیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے اس بیت کا رو رو کے کہنا مجھے آج جورو کے بہیا نے مارا

چھڑا کر کمربند کہنا کسی کا تو کیا پھاڑ ڈالو گے لہنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اے ہمراز میرا اور دشمن کا میں اک اندھی پہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہے کوڑھی کا

دیکھے دل ڈر ہے مجھے اب یہ مریجاں دل کا حال پوچھے نہ کہیں مجھسے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہے ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا لیں چنے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
اسی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ بچہ ہونیوالا ہے کہا انکا ناچ اُن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھتے کیا ہو شب وصل میں کیا کیا ہوگا آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو بچہ ہوگا
گر چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے آج وعدے پہ نہ آؤ گے تو ہیضا ہوگا
شیخ کا جیسے تمہیں باپ ہوا ہے دھوکا میرا سالا تو نہ ہوگا مرا سسرا ہوگا

جوتہ نیا ادہوڑی کا پہنے ہے یار آج شاید کہ ہو گیا کوئی عا
جاتے ہیں میکدے کو تماشا بنے ہوئے پیچھے ہے شیخ جی کے لگ

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چل دیئے — اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم پولس میں پڑاشے پہ جیل میں — کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب وزخیابت پہ — جگہ تجویز کیا کی بانس پر یا بے پٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں — انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے — بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گرجے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہو یہ آخر کھل گیا سب پر — کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں — نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تخت کی رات مری چھیڑ یہ جو رونے مری — مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں میں
ان کی منت یہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں — وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کہ یہ چچی ہیں — کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی — غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

بجز میرے ترا بوسۂ لب جسنے لیا ہو — اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کسواسطے احسن سے مجھے ملنے نہیں دیتے — تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

بیٹے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو　　دخت رز نے کہا لہنگا مجھکو
وصل کی باپ ہو کر کیونکر خواہش　　یا راب کہتا ہے بھیا مجھکو

گھٹتی ہے دشمنوں سے صبح و مسا تمہاری　　یہ رنڈہ مار دینگے اے دلربا تمہاری
رندو نکی تم مذمت کرتو رہے ہو واعظ　　اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تمھاری

ہم بھی تیرے صحن میں اغیار بھی ہیں آج　　یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدہر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر　　اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کیسکے گھر رہے

خدا کے لئے سر منڈا دو مری جان　　بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

نا کہ مجھپہ فدا ہو رہیں رنڈی، یہ نثار　　ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر بھٹک جائے تو اسکا ذمہ　　باپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی　　کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی نیچری سانڈ پالے پڑے گا　　علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر رز آپ کی ہمشیر ہوتی ہے　　جبھی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے　　نطفے میں تیرے فرق مری جاں ضرور ہے

کہاں جا سکتے ہو اب مرے گھر سے — تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے
ملا جو انسے اُس نے قید کاٹی — ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے
پھر آخر مجھسے تم کیونکر ملو گے — خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے
عدو کیا مار ڈالے گا مری جان — خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں جو یہاں — بیبیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیماروں کی
ہاتھ میں نیم کی ٹہنی ہے بغل میں جوتا — یہی پہچان ہے باپ انکے خریداروں کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ — جب میرے گھر نہیں ہیں تو چاہے جہاں رہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں — ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم — دھار پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کل سنا تھا یار کا جلاب ہے — آج سنتا ہوں کہ رحلت ہوگئی

نیند کیسی پینے والے مر گئے — اسے میں قربان ڈھول کی اس تھاپ کے
نیم کی ٹہنی لیئے پھرتا ہے دوست — یہ نتیجے ہیں پرائے باپ کے

ہاں شیرا! دیکھیے مرے بخت سیاہ کی — معشوق بھی ملا ہے تو الٹا توا سب مجھے
کوہِ ستم اٹھا دیے ہول بار عاشقی — کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

جلائے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے
رو لائے جو ہمیں ناحق تو بیاری ہو رقت کی

ترا دادا برا خفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا
پرانا جبکّی ہے بو نہ کیوں جو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعر شہیدی

فضول مجھسے تو بدظن ہے اے بتِ گلفام
تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام
پری اٹھی مرے پہلو سے بار ہا ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرز دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں اسوقت سن شریف تقریباً ۴۵ برس کا ہوگا نہایت باخلاق زندہ دل یارباش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں - مجھسے کافی مراسم ہیں - لیکن باوجود اصرار بھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا - مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے - اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا - مگر کیا کیا جاوے - کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان سے سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کر لئے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا - شعر یہ ہیں -

محو دیدار ہر اک طرف دیکھنے والا ہوتا
تھے لنگے میں کمربند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل ناصبور تھا
لنگا کسی حسین کا آغوش حور تھا

اُس طفل خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ | ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے بھول گیا مثل نان جو | شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھ کے کچوں کی بہار تھی | سینہ کسی کا بائچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے | مرغ دل سوزاں ہے تہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتا پور میں ۱۲ - اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۷ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۲ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا -

گو کہ آپ اسم بامسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر - مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے - جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسی وقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی - اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں - اکثر انگریزی ڈراموں کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کیے کہ باید وشاید - بنگلہ سے چار یا پانچ ناولوں کا ایسا

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ - ردہنی - پرتاب بنگالی دہن - مار آستین - مرنالنی - سب کے سب بیحد دلچسپ سلیس اُردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں - میں نے اِن سب کو از اول تا آخر پڑھا - ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زیردست سند ہے - ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا - ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کرکے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں - پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجیے جو فارسی کے اس پُرانے اور فرسودہ مصرعہ پر کہا گیا ؎ اگر مانَد شبے مانَد شبِ دیگر نمی مانَد۔

کلاہ سر چو ٹرکی وا کیا بر سر نمی مانَد ۔۔۔ ہمیشہ کوٹ و جاکٹ ہم چو شیروانی بر نمی مانَد

زمانہ بر یکے آئین اے نیچر نمی مانَد ۔۔۔ عروسِ نو حجابِ آلودہ باشوہر نمی مانَد

اگر مانَد شبے مانَد شبِ دیگر نمی مانَد

براندی دائما در بوتل و ساغر نمی مانَد ۔۔۔ چنیں بیڈ و چرٹ در دست دلبر نمی مانَد

بیا ایں بوٹ انگریزی و فر بر سر نمی مانَد ۔۔۔ عروسِ نو حجاب آلودہ باشوہر نمی مانَد

اگر مانَد شبے مانَد شبِ دیگر نمی مانَد

چنیں اسپ و مرغ و خیمہ در میدان تا کجا تازی ۔۔۔ ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلاں تا کجا بازی

مزین در بدن تا کے چنیں ساپ و پتلون بگو سازی ۔۔۔ عروسِ نو حجاب آلودہ باشوہر نمی مانَد

اگر مانَد شبے مانَد شبِ دیگر نمی مانَد

براندی تا بکے از ما بگو اے نیچری نوشی ۔۔۔ لباس جاکٹ و پتلون بے کھٹکے چنیں پوشی

برائے گردن ایں رسم لندن تا کجا کوشی ۔۔۔ عروسِ نو حجاب آلودہ باشوہر نمی مانَد

اگر مانَد شبے مانَد شبِ دیگر نمی مانَد

کنی گمراہ عالم را بہ ایں پیچ زبوں تا کے ۔۔۔ بسر قرمن نمودن ایں چنیں خبط و جنوں تا کے

نمودن بول استادہ بمثل سگ کنوں تا کے ۔۔۔ عروسِ نو حجاب آلودہ باشوہر نمی مانَد

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغ سر بریدہ را بدین رغبت — حرامے را نمائی از دلیل خویش چون حلت

خرو می نالد اے نیچر بدین عقل و برین ہمت — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

بجاے سنگ اسود ٹوپی لیڈی را بہ بوسیدن — بوقت گیند کرکٹ بید ہر یک بیتاب گردیدن

چو قرآن و حدیث ای نیچری انجیل را دیدن — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست آن خالق بیچوں — کبوتر چون بکا یک قہ می سازد غم غطوں غوں

چہ سر را زد او دارا و توبہ کن ازیں اکنوں — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دھج نئی ادا کا — جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قہر دافت غضب خدا کا

سفید داڑھی یہ کالا جوتا اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی — بدن پہ جاکٹ گلے میں ہٹی سی عالم اسپر ہے اک بلا کا

ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتوں — غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیاں بلا کا

بہت دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے — خدا کے بندونکے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب خدا کا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں ۔

ملک دکن پہ قحط کی یارو چڑھائی ہے — چاروں طرف سے فوج تبہ کار آئی ہے

محتاج خانوں میں بھی خدا کی دہائی ہے — کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

بھرتی امیدوار ہوں خواہش ہے کام کی

آؤ سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ریل بھرے تھے امیدوار — اُمڈی بلا کی فوج کہ منہ جسکے چار چار

پوربئے یار اور علیگڈھ کے سب سوار — آتی تھی ہر طرف سے صدا بس بیا بیار

چھڑوں پہ جھجریاں کھنیں، وہ لکیں اُڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک دھپ آئی کہ اللہ کی پناہ — اور پڑ گئے وہ انگریز کہ بھی واہ واہ
تیور ہے آشکار کہ پیسو نپہ ہے نگاہ — آئے نہ کچھ خیال بھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہیروں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بھاگ پڑو کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کتنے پرانے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے

دوش رفتم سوئے بازار، کہ یافتم جیار۔ نہ برقید سیکیاں، نہ بترہ بیزگار۔ نہ خود رفتہ وسر شار۔ سبک خیز چو رہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ بسر گوشہ چلوار۔ بجان شستہ زصابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ او صاحب ایمان۔ ولے ہند و شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دوادو ہر سمت لپیسہ شرق گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و نشاشید۔ گہے جست و مرانید۔ گہے شور کہ میں گرچہ ادرنگ کی وشمپین و برانڈی گہے بیر و کلارٹ گہے پاٹ گہے جاگٹ۔ گہے شیرے وگہے رم گہے لمبی لعم ہم ہمیں فکر بھردم۔ کشتہ حرص و ہوا۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی ملعون کہ غیرت چہ یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں مست شدہ ز خرد عاری۔ شیشۂ ننگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تو ئی دیو اگہ و مدہوش۔ نہ عقل فراموش۔ بشر علم و ادب دور۔ بہ مے گرہی مخمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدارا۔ گفتہ عدوِ ناموس۔ بروڈ ام بگر وُس۔ تم آدمی بے کالا۔ یا لا کا لالا۔ من صاحب لو گیم۔ فدائی بسر جیم۔ صاحب جلیلی نامم۔ بجہان شہرۂ عامم۔ زرسوزم تو چہ دانی۔ کہ تا قابل آئی۔ بزنم تم کو گروتھیر۔ اٹھو گئا ہمر شکم نہ دوستما ناں گفتم اے صاحب او ظالمتا۔ مزن بیہدہ بیہ لا لا۔ بہ ببیں روئے حسینے خوشحال

چند آئینہ وریش - مشو طالع نقال بوزن صفت پر وبال - بخوز لیکت دیم کیک - بکن برک رہ نیک - باشو پیرو حسنات - برست از مزخرفات بریں صدق وصفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جیسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علٰحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ	مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ	گھر گھر بھاگی میری توبہ
واعظ کر تو گرمی گرمی	ساون آیا ٹوٹی توبہ
خرزا ہد کی شیخی تھی	رندوں میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی	سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کر کرتے	اون کی روٹی تھی پی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا	توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا	کیسی توبہ کیسی توبہ
تو بھی بندے ہی جو ٹھہرے	آگئی دل میں کرلی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو	یہ بھی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو	کام وہاں پر دیگی توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیمک نامہ نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اُس کے اور نہیں دیکھے گئے - میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اُسو تت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب خدا معلوم کہاں گیا - بہرصورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اُس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جب کہ دیمک کی فوج چلتی ہے — زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ — مہ کے سینے میں دیمکوں کا داغ
ذرّے کے دام میں نہیں خورشید — دیمکوں نے اسے کیا ہے چھید
ڈرے دیمک سے وہ جو ہیے شال — یاں تو اب کسکے خصیو نپر ہے بال
لنگکے زیر و لنگکے بالا — نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام دام سب بھول گیا شعر یہ ہیں -

چھیپ را اگر علاج میخواہی — طلب وصل جھترا نی کن
در شب وصل می پڑد جاڑا — یک لحاف است اینچا تانی کن
بہنیس کم ششیر مید ہد بسمل — از کھلی و بنولہ سانی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - عرصہ تک

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا ۱۸۹۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالبًا سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی برسر بیکار رہیں لو اور سنو	اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے	اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ تھیا نہ تو اور کہ نہ مصالح موجود	سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپ بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم نرے مولوی تھے آج طفیل سرکار	پنچ میں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نافے پڑے رہتے ہیں پشمل کے مدام	آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا ۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر۔ اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکایک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انمیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح پھونکدیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

وے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے
دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں
ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا
اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
ایخدا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے
اور بینی کا یہ عالم ہو کہ ترببینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب بھلا اس سے کیا بہتر
اسمیں ہووے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان بیچارتے پھریے
ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے
بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے
اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی
کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن
ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ دہلے بیٹھ گئے
تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے
آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

مبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۶ - اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -

نوحہ رقت وخجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوزوں - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل وکشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بہ الطاف الٰہی - ہی ہی مری شاہی
کرتا تھا میں ہیٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہی ہی مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آپہونچی تباہی - ہی ہی مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت - یہ کیا ہی بغاوت
تھری یہ حکومت ہے نہ تالی یہ الٰہی - ہی ہی مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب پیدا یا چارج
بیکار رہی بیکار رہی منھ کو سیاہی - ہی ہی مری شاہی

یہ رنج کیا ضبط تو تب آ گئی مجھکو - لے میرے محمّو
خون تھو کا جو بھائی نے تو جھٹ آ گئی ہی ہی مری شاہی

اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا تیل ہا ٹ ملنے
جب بورڈ میں جا نکلی ہوئی میری مناہی - ہی ہی مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹا یا
کالا ہوا منھ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی - ہی ہی مری شاہی

میںنے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہی ہی مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے آئے - غیروں کے سکھائے
دیکھا جو یہ جھگڑے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہی ہی مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی - ہی ہی مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہی ہی مری شاہی

پنچا مر غرور ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھکا ہے
لی دونگی میں نے تو لگی منھ میں سیاہی - ہی ہی مری شاہی

بلیغ - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانہ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں۔

هزاران حرف نافرجام براین همت عالی | که من مرغوبهٔ خود را در آغوشِ دگر دارم
چو دستم شد حائل گفت آن نازک مزاج من | بترس از من که یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوش آن روزے که آن پرخور آید در کنار من | بسا خربوزه و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بارغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا | که هر اہل بلغ گوید که من سوے تو نظر دارم

بلبلیلی :- یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شرما کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں۔ علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بد قسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے | دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں رقم انجیر ہے | چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تبخیر ہے
عقد رندانیں عبث حجت ہوئے واعظ تجھے | دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمشیر ہے
ہو ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام | نجد کیا اے قیس ترے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے | بس اسی رشتہ سے لیلیٰ قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلیلی میں اپنے فن پہ کیوں نازاں نہوں | مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

بندریہ :- عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سایق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندر یہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پر زر بہ | بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں یورو پین | پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان | از رہ مستقیم چکر بہ
ایلچے ہم بکار می آید | خر عیسی بحال خود خر بہ
وضع خوش اختیار باید کرد | ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمائیش | خاکساری شما را احقر بہ
ہمچل خواب را نمودے نیست | نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی ز نیشکر آید | چوں شکر مید ہد چقندر بہ
مفلسا نیم در بساط حیات | اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی | جان بل چوں غزال اصفر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را | ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی | تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید | ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اُس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں - میر صاحب اور بو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں -

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے - اس لئے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے - ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے - میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں - مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کر ان سے تو اور مذمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا - چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں -

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آ گیا - مولوی کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے - یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو - جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بھوت بڈارا نامہ جو ابتک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں -

درد پڑھ ناد علی راکش و بیتال کو باندھ | درد پڑھ ناد علی جن و گرولال کو باندھ
درد پڑھ ناد علی بھیروں و گھڑیال کو باندھ | درد پڑھ ناد علی بھوتوں کے سرتال کو باندھ

درد پڑھ ناد علی بے خرد دجّال کو باندھ

ہو بیدے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا | باندھو نگا عبث بھاگ مرے آگے سے ٹل جا

کر اور کسو آدم و حیواں پہ عمل جا | آ تو بھی کماں نان شتابی سے نکل جا

بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا

یا شیشہ میں ہو بند دیا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے ان کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا ان کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آن نیم کہ ز حلوا عناں بگردانم | کہ ترک صحبت شیرینی نہ کار فرط دست
کسے بجوہر یکدانہ نخود شہ رسد | کہ قفل حقہ کیسا بپاچہ نکشاد است
دگر مگوے کہ نان نو عروس عفرہ ہاست | کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است ز روغن بچہرہ حبشی | کہ این سیاہ زبان زعفران آزاد است
چہ می برے لب کاسہ لیس بر سنجاق | ہریخ زرد و عسل روزی خداداد است

بہ نسیم در سحرگاہان گر آری صحن نعجرا را | بہ بوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوے فربہ گر داری غنیمت داں | کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
جمال برہ بریان و حسن دنبہ فربہ | چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
چہ آرائی بہ شنگ و زعفراں رخسار فالودہ | بہ رنگ و بوے و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را
بگو سنجاق وسعت خوشہ انگور شقالے | کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم زذکر قلیہ خانی | بہ شکر بورقہم فی کل حال
سحر بر خیزم از بہر ہریسہ | ومن طلب العلی سہر اللیالی
درون رشتہ آں خورشید شلغم | کان الشمس فی جوف اللیالی
چواز ہم مید رم مرغ مسلم | فما ادری یمینا عن شمال

بوبک ایک بیاض قلمی میں بوبک بڈھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام وحالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - اِن کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلائے پیدا کر کے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - اِن کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے اُن کو نظر انداز کر کے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی — شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست — گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست

کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست — خوے بد در طبیعتے کہ نشست

نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا — کریما بہ بخشائے بر حال ما

کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس — نداریم غیر از تو فریاد رس

یہ کہتی ہے جورو ہمیں بار بار — کہ ہستی اسیرِ کمندِ ہوا

وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا — نگہدار مارا ز راہ خطا

میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا — خطا در گذار و صوابم نما

لڑی سادہ عروسی کی شب رات بھر — کبھی مارے گھونسے کبھی ٹپکا سر

بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر — تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر

یکبر مکن زینہار اے پسر — کہ روزے ز دستش در آئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں۔ سنجیدہ کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں - اب سنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا بلکہ کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر چار کر رہے تھے - اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے — اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر — بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی — اچھی خاصی ان جولاہوں کی کمائی ہو گئی
ہو ترقی کسطرح ملبوس کھدر کو بھلا — چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہو گئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذراسی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعویٰ کر دیا
خود ہوے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہدیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج کس لئے رکھا ہے سر پہ مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آے نہ تم میرا مزاج ہو نہیں سکتا جو تمسے درد فرقت کا علاج
تمکو کس اُلو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں یکجا اُسے دوران سر یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے الو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گارد کا گارد زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضایع مگرداں

....

بھسنٹ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا ہت تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو ۔۔۔ فوراً مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پر مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے ۔۔۔ مری بیوی برابر ماننا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا ۔۔۔ اب اپنی بیوی کو میں تنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہوگئی ۔۔۔ کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بیگن کے سوا

والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی ۔۔۔ سیدوں کے پاس رہ کر مجھکو سید کردیا

پوچھتے ہیں نام بسنت تمسے لوگ ۔۔۔ کہہ بھی دو الّو کا بچا نام ہے

دی ایک چکت ایسی گالوں سے لہو نکلا ۔۔۔ وہ بھوتنی والا تو سیرا بھی گرو نکلا

....

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں ۔۔۔ کھوپڑی کا فقط بچا نا ہے

جسمیں بیٹھے ہم عدم میں اے بسنت ۔۔۔ اک بڑا وہ بھی کار خانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے ۔۔۔ یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا ۔۔۔ کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

جوتے میں کرتا ہوں خوب لوگوں پر — پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہیں اور نہ کوئی چور ہوں نہیں — حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں — جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے اور میں ہوں پرچہ کش — میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

بیڈھب - ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں شفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں ابھی کلام سے نومشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ نقد ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے - پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کئے گئے ہیں - اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں -

حمد خدا میں بیڈھب زورِ قلم دکھانا — ایسا ہے جیسے چھپّر افلاک پر چڑھانا

اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا — اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا

دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا — جو والف کہیگی وہ بیتنگ کروں گا

نہ ہو گا اگر تم سے میرا مداوا — تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا

اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے — تو میں آج سرقے کا دعویٰ کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا ۔ بس اب آج سے خط کا بنرہ چرونگا
اگر ساس نے مان لی میری بٹہ عب ۔ تو میں بیاہ سے قبل گونا کرونگا

ہمارے بس میں اس ہوتے وہ عیار ہو جاتا ۔ کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہو جاتا

ڈھولک بجا بجا کرگاتا تھا اک زنانا ۔ اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا
اس راگ پر ہو لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا ۔ تادیم دیم درنا تا دار دیم تا نا

کیا وہ ہرجائی مجھے ڈھونڈھیگا جو کبھی ۔ ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بار ہا بیٹھ گئے ہار کے چنگی والے ۔ راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن ۔ آجتک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو ۔ کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا ۔ سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
داغ بل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے ۔ گیس کا ہنڈا تھا بیڈ مٹ تمہارا دل نہ تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا ۔ ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے سویاں ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے ۔ قابل قدر ہے آموں کا بھی گٹھلیاں ہونا
یہ بھی مذہب ہے گنا گت میں تو رہنا پنڈت ۔ اور بچھڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا ۔ پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ بر خود داریاں

ہیں یہ جیبے اور یہ لندن کا بوٹ — عرس افطار اور میلا عید کا

عیش کا ٹٹو تو لد کر چلدیا — شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا

رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترا تے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر — ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا

دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے — قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا

سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کیساتھ — ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا

تنگدستی کا یہی عالم رہا بڈھے اگر — عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پر فن میں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہیں ایسی گھٹی کیوں ہو — خدا نا خواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہوا دیا نہیں دلبر کوئی — پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی

جذب دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا — وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی

پہلے معشوق انھیں لوگ کہا کرتے تھے — اب تو جب پست کوئی کہتا ہے چھچھوندر کوئی

بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے — ناز اٹھواؤ گے تم اُس سے کہ چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے ہجو گوئی اور ظرافت میں یدطولی حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالبا میر ماشاءاللہ اور میر انشاءاللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجئے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاءاللہ — سب کہتے ہیں زیادہ ہوگے انشاءاللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بیگم ۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تمکو خانم　　نہیں مجھکو دوبھر ہے کھانا تمھارا

میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا

ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا　　تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانہ کے دگانا مری مہمان گئی　　میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف بائے فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ جی بے مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند | چشم دل سے جو نگہ کی تھی بہ بردانے چند
شاغل و زندہ دل در راہِ حقیقت آگاہ | بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمتِ قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں | ہمچو شبلی ہوں و یا مہدی علیخانے چند
رات دن اُن کے لیئے شغل عبادت ہے یہی | زرد پوشاک کے اُن کو نہیں ارمانے چند
ایک چمن ماں وہ فقیروں کو بناوتے ہیں شاہ | آسمان پر بھی نہیں اُن کے سے پاکانے چند
گو کہ چھٹتی کیطرح سے ہے یہ تند لاکھ ضعیف | اس کے رتبے کو کہاں ہو پہنچے سلیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آوت ہے شب روز مدام | ترک اکدم سے کردن دنیا و ایوانے چند

پرمی جھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے میں مشغول تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیاؔ (جو دلی کے ایک مشہور شاطر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس برس اُدھر اُن کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستان سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مردوے مرے اور پرندہ ہوئے — مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب کے تو مردوے ہیں دغاباز بیوفا — اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے
دل کو ہی آتا تھا تجھے ماہِ صیام میں — در گور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ پنچھا - ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے — یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پیلٹنٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بذلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ان کی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ - آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگر یختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنیے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سُنیے اردو شاعری پہ بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضائے انسانی لے لئے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں دُکھڑا رویا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل و جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پٹینٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے	پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے
گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے	تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے
چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا	اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے
کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں	آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے
تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فراق	اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے
دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک	سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے
شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں	لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے
تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں	کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے
برسات آئی پھر دہی گڑبڑ مزاج ہے	پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام ۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبرآباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اُردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے ۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے ۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی ۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے ۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے ۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تاء قرشت

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا ۔۔۔ جسپہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آ دبوچا جو مرے طائر دل کو اُسنے ۔۔۔ ناز اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی ۔۔۔ کوئی سسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش و حواس ۔۔۔ عارض اس شوخ کا بارود کی کانی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں ۔۔۔ تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاپی ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم ۔۔۔ یار کا ہے کو جو نپور کا قاضی ہوگا

جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں انکو عاشق ۔۔۔ غم نہ کہیئے اُسے وہ آم کی گٹھلی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آ کر شیریں ۔۔۔ دب گیا گر کہیں پتھر سے تو بہ چٹی ہوگا

تجھپہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور ۔۔۔ عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا

جس میں تہذیب نہو ہو وہ ظرافت مہمل ۔۔۔ حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم ہیں تاب ضبط غم نہیں ۔۔۔ وہاں سوال وصل پر کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرکے میں اُنسے ہٹ گیا ہوں | گر لڑکھڑا گیا تو یہیں گر پڑا ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو | پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں ہونے تو دو
پاک ہو جائے گی سب آب و ہوائے راہِ عشق | صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جاکر دوگے کیا فخرِ ہما | آشیاں تھرڈ سے جاناں اذاں ہونے تو دو
آٹھویں دن ترکِ الفت دور از انصاف ہے | اپنے عاشق کو ذرا نوشیرواں ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر | شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو کہ آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۴ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اُردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف میں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے۔ مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا | یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر | لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس | کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا | اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا | آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ دخمخانۂ جاوید سب اسباب پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رے تو وہ ہے جو رو کو تکتا تھا
الٰہی اسکے پاؤں تک میرا سر بے آرزو پہونچا

ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا
کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

گر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس جپ چپ
میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان
دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصوّر۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

تخلص تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبد الغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا نے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۳ھ میں دنیاے فانی سے رخصت ہوے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں کوئی فرج یوں ان کے نخرے اٹھائے

توتی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سجز قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے توتی بیچاری اُن کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر اُن کو یہہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم تو با کونش بساز و من با کیرش

توتی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی ——
میرنظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا کاواک شدہ چونے از و لشت مرا
گر پشت بسوے او وے خواب کنم بیدار کند بضرب انگشت مرا

توتی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی سست رگے گشت مرا روزے نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت   اشتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ اے کشت مرا   تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا
شبہا ہمہ پشت سوئے من خواب کنی   بگزار کہ واگرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹیڈیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں ۔۔۔ جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو ۔۔۔ اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے ۔۔۔ مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بھیڑیا دھسان اُلٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقائے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اردو سے ماضی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رُکتی دور کیوں جایئے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کریجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہئے ۔ یعنی کی شاعری سے تجاوز کر کے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے ۔ اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں ۔ اگر صحت و سلامتی دمساز ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصہ نظم نذر ناظرین کر دیں ۔ میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن یہ ہے ۔

شہ رگ یہ دمبدم مری گردن ملتی ہے
دیوانگی کی نہر شب و روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے
معدے میں آگ عشق کی بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

ٹخنوں میں درد ہو گیا و خاک اڑائی ہے
ایڑی ہے پاش پاش یہ اپنی کمائی ہے
بے زخموں میں دم کہ حلق میں بن آئی ہے
گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے حرماں کا آسرا
بخت سیہ کا لیکے جما ہی کیا گلا
اُچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا
چھینک آئی ہمنے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اللہ کی ماریں
ہے دوپہر تو لوٹ رہے ہیں بخار میں
المدعا کہ شام ہوئی انتظار میں
کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بند وق چلتی ہے

بیمار غم کا حال ہوا سو کھ سا کھ تاق
یہ حسن اتفاق ہے یا سوئے اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک قرم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک
ملنا نہ تھا ملا نہ انھیں گھر میں بار تک دانتوں کا دسترس نہوا گوش یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں
جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہو ساری ایاغ میں جو رنگ تیرے منہ میں وہ دلکے داغ ہیں
یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہو نزکام برابر علاج ہو گرمی میں ہو بخار خنک احتیاج ہے
اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہو
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے آے آے جم جم آئے پنچ دوارے ٹیسو آئے
پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں ہمری آج گرج سن جائیں

پنچ — اتنا کیوں چلاتے ہیں　　آتے ہیں بھئی آتے ہیں

ٹیسو — آج بات یہ ہم نے ٹھانی　　لابھ ہوئی ہمکا یا ہانی
تنک تنک سہم بات بتی ہے　　رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان — ٹیسو سارا بہت ستائس　　گھر ہمسے بھیک منگائس
بھکنگی ماں عمر گنواوا　　آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس بجوگ پڑا کچھ آن　　چندہ چھین لہس جاپان
کہو کہاں سے اب ہم لائی　　دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجی کوڑی گھر ماں ناہیں　　کھو کہ کہہ کی کھیر منائیں

ضرورت — کہدو بہت نہ شور مچائیں　　اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں　　جہاں سے بنے وہاں سے لائیں

ہندوستان — پنچ بہادر سُنتے ہو　　سُنتے ہو بھئی سنتے ہو

بازاری لڑکے — پنچ بہادر جیتے ہیں　　دیتے ہیں بھئی دیتے ہیں

ٹیسو — جھنجھیا ہمری بڑی بکھانی　　جما بیٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے　　بن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے　　ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے　　روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری　　کہو تو جھوٹے کچ کچ کری

بازاری لڑکے　　کھیلو کود جانے دو　　مرتی ہے مر جانے دو

ضرورت　　پنج دوارے سے کالا یو　　سچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان　　ہم کا ملی نہیں اک پائی　　کا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت　　اچھا اچھا دیکھیں گے　　دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان　　اے بدھنا ہم کا گن کینا　　ہمرے کرم ماں کا لکھ دینا
یا ہی دیکھا کرم کا لیکھا　　جا سے بھینٹا بھی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریاؔ۔ جمیعت علی نام تھا۔ جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہوگیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دھن نہیں

اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ نگوڑی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے | میری سوتن کے کہیں یونہی آ گئے آئے
دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی رہتے تھے وہیں | ہانپتے کانپتے کیوں رات کو بھاگے آئے
شام سے سوئے ہے منھ پھیر کے مردوں کی طرح | آئے تو گھر میں کہیں رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچنا لاڈو تو نہ زنہار کہیں | کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر بار کہیں
ان کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر ہے ان کا | مجھکو کیا کام ہے جائے مری پیزار کہیں
آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھتیسی ہیں | منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں
دنکو ہر کام میں کیوں اونگھتی ہو پھر ماما | رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ مردار کہیں

ماما کا ہے کجے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی — مجھکو کر ڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہرجائی ہے — ڈھونڈ ھولے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو — ماراجچی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غسم کرتی ہیں — مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

حرف جیم عربی

جان - میر یار علی نام تھا - میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے - اگرچہ وطن لکھنؤ تھا - مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین درباری میں ملازم ہوکر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی - مرنجاں مرنج آدمی تھے - جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر ۱۲۷۴ھ میں مجبوراً ترک وطن کرکے روزگار کی فکر میں دلی گئے - مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی - پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی - آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے - تا اینکہ ۱۲۹۰ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہو گئے -

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنسے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا -

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے - یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا - اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے - ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا - وہ اس کا موجد ہوا اسکا انتقال ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرہ شعرائے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں - مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی " زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا - اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اُس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد اُن کو معلوم ہوا ہو گا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے - لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا - اسیطرح تذکرۂ مہر جہانتاب میں بھی انشاء ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے - بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں -

ارے نادان پتن اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے ۔ رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں ۔ سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے - لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے - مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے - غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا - مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے - اور اسی وجہ سے رنگین اور انشاء کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی - مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دیئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں - اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا - ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہو گیا تھا - مگر اب بعض لوگوں نے محنت کرکے اسکا انتخاب کرکے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگماتی زبان۔ لکھنؤ کے۔ روزمرہ شستہ کلام عورتوں کے محاورات۔ رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور
کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیٹے کی جوتیوں میں
محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا

یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق
کنبے میں ہیگیل کے دو ہاجو نظر پڑا

جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب
برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے
کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا

وہ دل در گور جنیاں نے کبھی جو نام الفت کا
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا

وہ تھے استادان سے جانصاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا

کلوا رنی پہ مرتا ہے تف اُسکی ریش پر
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا

مستانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال
پڑ جاے اس کے حلق میں پھندا شراب کا

سوم بنیوں سے جلا ہونسے جو جو بر کھیلے
چال وہ مجھسے ٹکے گز کی نکیو نکر چلتا

رہگیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہیں
تیرہواں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا

ساس نندوں کی محبت کیے میں قربان گئی
جاؤں میکے مجھے منگوادو سواری مرزا

تم سلامت رہو صدقے میں تمھارے صاحب
کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا

یگانہ تھا کچا تھا وہ جن اے پریخا نم
کل سر پر چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکارا چپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی
ہمیں تو لاکھوں کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کالا ابھی لال ہوگیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہوگیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکے بال کا
راکھ مل کے نوچ یا نورہ لگا ہرتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اکدن میری سوت
کھائے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا

خالی کے پہننے میں وہ خالا نہیں رہتا
در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی
موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ رہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پیدا
مردوں پہ تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

حُسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ رہے
صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب
مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ
یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جامے سے ہوں باہر ہوا پھلا مغلانی
اُدھڑی دو بار مگر ٹھیک آئی انگیا

کوڑھ ان چھاتیوں سے ٹپکے اُسے جو پہنے
میں تو کوسوں گی مری جسنے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں
اپنی جُرو ونکو موئے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے میں بھتا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہے کیوں
چھوڑا پڑاقہ میں نے تراجی دہل گیا

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دہرات کا پھر وہ ہی بکھیڑا نکلا
کوئی گل پھولے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

ہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے پھبتی میں کہیں
چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب تو رہے رات کو خانم کے گھر
مجھ نجنتی نے عبث عیش کا ساماں کیا

کہے میں دیتی ہوں لڈو خانم قسم خدا کی دیکھ لینا
نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کسی سے جواب انکارا

میں پاس بیٹھی تھی دولھا بھیا کے گر وہ سنتے تو مری گت
کیا غضب کیا یہ تنے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

ہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب
یہاں سندو نگی بولی ٹھولی کرونگی کب تک بھلا گوارا

کھانا چرا کے خوب نہیں بانسے پان کا
منھ کی کہیں کھلا سے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر پھبتی ہے نئی
انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دونو طرح
بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس نگوڑے بے پیر کا
تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا
یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا
مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا
منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر
دشمنوں کا مرے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے بوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گورا گورا
کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل ہے کرکر حال ان چڑیوں کی چونچ چونچ کا
ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگجائے نہ کو سا کسی کل جبھی کا ظالم
ہونا ارے مشہور ہلا کو نہیں اچھا

جو شوم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں
چڑیا حلال کردے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کھ جلی مانگ جلی دکھیا ہوں
ٹھنڈا رکھے گا تجھے اوہی جلانا میرا

تم اگر دوگے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا
کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں
گھروا لا گھر کو کتا ہو بتخا نہ ہوگیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی
وہ اسکی شکل کیا ہے اے بوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات ۔ گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منھ شام بدلنا کا میں نے ۔ خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے ۔ اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو دسے میسر مجھے وہ کھائیں ۔ بھائی کو بھابی کیا ہو کمائی کی احتیاج

نشہ ہر تاڑی کے جورو کو مارا بھڑوے نے ۔ نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھائے سہرا ۔ مجھکو کیا لوگو جو گھر اُسکا بسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش بُرا ہے داماد ۔ رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا ۔ سوت بچو نہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل بوا ۔ بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میرا ریختہ ۔ فتنے کو فوق کیوں نہو اے باجی فور پر

جھجر میں باجی ایک مسلمان تھا کہار ۔ یہ حال اسکے گھر کے نظر آے ذور پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ ۔ لٹے گھڑے پہ ہر جگہ پہ مٹکے مٹھور پر

نہ دیکھو دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر ۔ نئی نویلی دلھن ہو بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا ۔ بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ مجھپہ نہ قرق اتنا کچھ اُن کے گھر میں نہیں تو ہے بھی ۔ کروڑوں ہیں نے بگاڑ ڈالے گھروندے ایسے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی مسی کہ جیسے بطخ نے کھائی کیچڑ ۔ کسی نے مارا ہے منھ میں پتھر نہیں آئی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا نہ ٹھنڈے پیٹوں رہیگی سوت کسطرح چند دن ۔ جلی ہوں دنیا سے جلی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سیدھا اگر ہے میرا بچی نکلے گی کھاٹ اسکی ۔ وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے اُلٹی پٹی تمہیں پڑھا کر

ہوئیں بڑھیا پہ جوانوں کے گلے کاٹتی ہوں ۔ اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھلواتے ۔ تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ بُرا ہے اچھی بی ۔ کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس
باجی دنیا ہو اور ہماری ساس

جوہر ان کے کھلے ہیں بہو دل پر
چھریاں تندیں ہیں اور کٹاری ساس

بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے
ہے وہ جلادنی ہماری ساس

کافی ہے نیک بخت کو بی جان ایک مرد
کسی کو سوز چاہیے دو چار کی تلاش

آج مجھسے ہے تو کل اور سے مرزا اخلاص
ایسی ہرجائی سے ہو نوج نگوڑا اخلاص

کوشش بہت سی کی نہ مٹا پردنوں کا پھیر
لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض

کیا باجی بھیجتا وہ نکھٹو بھلا مجھے
جنسے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط

نگوڑی کے چور کا نہیں کرتا ہے کوئی خون
مہندی کے چور پہ کیا تم نے ستم غلط

گالی جو منھ سے نکلی ہو کاٹو مری زبان
تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط

ہر گھڑی آکے جٹھانی مرے منھ چڑھتی ہے
ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ

نرگس سفید پوش تھی بیمار ہو گئی
اودا دوپٹہ اوڑھ کے سوسن نجاے باغ

ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم
کبھی مجھپر کبھی تجھ پر ہوئے مرزا عاشق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو منانی سچ ہے
اوہی کیا ہوگا وہ جورو کا نگوڑا عاشق

بنو لذت اٹھاؤ گی آگے
اب تو نام خدا ہوا ہے عشق

چلتا نہیں ہے زور محبت میں اس سے کچھ
عزت یہ جسکی چاہے نگوڑا اتارے دل

لاؤ یہ جی میں آتا ہے دیدے نکال لوں
کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے اشارے دل

ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہونگی بیٹی
پاس مرزا ترا امراؤ بہو کرتے ہیں

تماشے کرتی یہ بچی تمہاری پھرتی ہیں
میں صدقے دیکھو اجی پیاری پیاری پتلیاں

ملا تھا ایک ہی لیلی کو اے دوا مجنوں
ہزار دل اس سے تو وحشی ہمارے پھرتے ہیں

انہی جو موئے بدنام میرا نام کریں
انھیں کی ننھی بڑی کو مرے غلام کریں

اکیلی جاؤ نہ مسجد میں طاق بھرنے کو
دوگانا جان انھیں جھک کے ہم سلام کریں

عجب طرح کی سختی دیکھے اس زمانے کے — نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر — کیا اڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا — کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بھاتے ہیں مجھے باجی تمہارے ہاتھ پاؤں — گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مردوئے کھاتی ہوئیں تیسوں کلاموں کی قسم — تیرے بن پوچھے گئی ہوئیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تو — پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ — بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

اپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں — ان کے ہنسنے سے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہوئیں — باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاچار ہوئیں

میں پڑی کیا امیر کے گھر میں — پھنس گئی بوڑھی پھنس دلدل میں

ایجان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب — اوقات مجھ نبختی کی ہوتی بسر نہیں

سید اکل کہے ہیں بوا کائنات میں — لیکن سمائی سب کی ہے شیخوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھ سے عقلمند نہیں — میں بات چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھکو نہ ہے بجانے کا — اسی سے حسن مرا مردوے پسند نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چوچلو پیر مرد کیا مرے — اتری ہوئی کمان میں بے پر کے تیر ہیں

آنسو نکلیں جب جھڑی لگتی ہے دم بھرتا ہے — دل نگوڑا بن گیا جھینگر مگر برسات ہیں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہمسائی کرایہ کا مکان — چھاؤنی کا گھر نبختی بیچ کر برسات میں

خصم چھڑا کے موے دل نے یار کروایا — کیا اسی نے ہے یہ راہ راد سے مجھکو

نہ جاؤ تم پڑو چولھے میں پھپھو میرے بھائی کو — لگے ہیں درد مرتی ہوں بلا لاوے وہ دائی کو

الٰہی کوڑھ ٹپکے ایسی مخلانی کی باتوں میں — کرتے کے گرد یا غارت مری انگیا کے بازو کو

جان صاحب ہیں نہ ہونے دونگی بچی کو سوار — دن کو کیا سوتے تھے لائے ہو سواری رات کو

سوت کی بھتی نہ کھائی بانجھ دنیا سے چلی
چھنکار کے منھ پہ برستی ہے چل چھچے
مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب
خوب گن سیکھے کواری کھیلکر جبش کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدر میں چھاتی پھٹ جلے
شمع افروز کی بی چھاتو نہ پھبتی کہوں
یہ درشہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے
ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں مٹکتا ہے بوا
تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب
حلوائی کی دکان کی پھبتی نہ کیوں کہوں
کیا ہوگا گل ہزار کھلائے ہوا بہار
کھلوا نہ ٹھوکریں موئے دل دربدر مجھے
باھمن یہ مجھسے کہتا ہے پوتھی بچار کے
منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں

دل ہی میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو
منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ
کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار کچھ
رات کو مسی ملی اندھیرے ہے سوسن کے ساتھ

....

میں بھی برباد ہوئی اُس مُنے ناشاد کے ساتھ
تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمھارے
چھوکری اندھی ہے لڑکا کم نہیں ہو نچال سے
جان صاحب کی اجی دیکھو حماقت نہ گئی
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے
دنرات آسمان مٹھائی کا تھال ہے
میں بات بات ہوں جو اگر ڈال ڈال ہے
رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بہ گھر مجھے
پھندے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے
تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر۔ مرزا مومن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالیجاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق پرتین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی ۔۔۔ تا صبح کیوں نہووے چمن میں چپا پٹی
آنجھ نین میں بس کہ نباہے ترے لیے ۔۔۔ یہ خیمۂ سیاہ و سفید و پیٹا پٹی
پروے کیونکہ ہر اک بات میں تی وہ چھتیسی ۔۔۔ صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں تبیسی

جعفر زٹل۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہرصورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر سبزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کا رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبدالقادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نہایت سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا اِن کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی۔ بیدل نے اشارہ سے بھی بادل ناخواستہ منظور کرلیا۔ آپنے کچھ مدحیہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے۔

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہٰذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا جانستاں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑارا نامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند نازک کو اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک ہجو نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو سے نائے کو نادر سخن ستی ۔۔۔ سُن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی

مشہور رہے یہ بات کھوئے زمن ستی ۔۔۔ ہجوے کو شیخ جی نے دغا دی تھی فن ستی

تس کا کروں بیان نوجان و تن ستی

یہ ہجو نامہ ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹلی نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹ — تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو

تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی — یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد وجنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل — دمبدم از دمدمہ جاں در خلل

توبہ ازیں مسکن روزن فراخ — روز و شب آوازۂ پھس پھوں پٹاخ

توبہ ازیں مسکن پر شور و شر — مرحلۂ پر خطر و خوف و ڈر

پر خس و خاشاک بہ سر ٹوکری — نزد خرد بہتر ازیں نوکری

جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل — شرم حضوری مکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش — کہ غنچی بزد کردہ پچی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہ جعفر اب کیسے بنے
افتادی اندر بحر و بر کہ جعفر اب کیسے بنے

در بیکسی تا بودہٗ با درد و غم آلودہٗ
مفلس شدی در بدر کہ جعفر اب کیسے بنے

از ہجو آن سلطان خود کردی پریشاں حال خود
درماندہ بے بال و پر کہ جعفر اب کیسے بنے

اسباب غم برداشتی تخم فلاکت کاشتی
اکنوں کجا آں سیم و زر کہ جعفر اب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے ہل ہانکتے کودوں پھانکتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ؎

ز خان جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جوآں زٹل داد خواہ

جُواں پڑگئیں در قبا و ازار
نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار

رکت کی جو پیاسی میری پیاسی پھریں
کہ حیران و ہلکان مجھکو کریں

ہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں
بغل بیچ دشمن بری ہو رہیں

جواں مارتے مارتے شب گزشت
و لیکن جوئیں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دیئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آ کر کبھی ایرج نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

ان کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچ گئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ انکے ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی ان کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی پایہ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ ذلیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند و نصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہان معاذ اللہ ۔۔۔ ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند ۔۔۔ گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بکند ۔۔۔ آہ آں زن زنست مردک خر
آرزوے دلش بدل ماند ۔۔۔ خود پئے نان خراب و رسواتر

بزن کردن درافتادم بگرداب پریشانی — دل ودین رفت وسیال شد سه درہم خنثانی
بلے خوش گفتہ مصرع جعفرا این ازرہ فطرت — چراکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں تم حصہ کیسا۔ خیر اُسوقت تو جعفر خاموش ہوگئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت روئیں تنم — کہ دہ پارہ از مشت خود بشکنم
کنم روزن اندر حباب بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر
کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند
بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم لشکر تنگ را
بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم
اگر بر زنم پنجہ در دال بجات — فتد ہیبت و فوت من در جہات
بدوزم بہ رمح سناں دود را — نگا نم بہ چنگال فالود را
درین دور ثانی رستم منم — بتاسا بہ گرز گراں بشکنم
بہ ہنگام خشم و ترود تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش
من آں شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم بہ یکشت از پشہ گرد
چناں بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم | چہل خانۂ موش ویراں کنم
چفر سازم از خنجر آب دار | بجلوا دجفرات ہنگام کار
اگر برکشم تیغ تدبیر را | ببرّم سر شیر تصویر را
تہمتن منم گر کشم تیغ خشم | تراشم بہ ضرب یک موئے پشم
نہ آنم کہ بگریزم از گور خر | بگوزش کنم سینۂ خود سپر
بنام و نشاں جعفر درمند | چو گوز خر آوازۂ من بلند
فتد لرزہ اد من در اندام شوم | کنم زیر پیوستہ در کام شوم
سر همسگاں بر سر دار بہ | نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ
بترسد دل شوم از شاعراں | چو از باز و شاہیں دل طائراں
چو بیند مرا شوم تھر تھر کند | چو از گربہ مرغے کہ کر کر کند
اگر بنگرد صورت من بخیل | گریزد چو از گردگاں نساغ ذبیل
بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن | بہ سمتِ جنابِ سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کو کلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ دو نظمیں لکھیں جس میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

بشنو بیانِ نوکری جب گانٹھ ہوئے کھوکری | تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے
ہر روز مجرا اُٹھ کریں دربار کیسو گر پڑیں | بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے
دس جیس مجرے میں گئے دس میں بخشی نے لئے | دس بیس میں جھگڑے کئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

دلا در مفلسی سب سے اکڑ رہ ۔ بہ عالم بے کسی سب سے اکڑ رہ
چکن اور زر کا چیرہ پشم کر بوجھ ۔ پھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ
اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے ۔ لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرد انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تونگر ایں محل آبشورہ تابکے ۔ شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے
کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و سال ماہ ۔ پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے
کل شئی ھالک جعفر زبان را ببند ۔ این سخنہاے ژٹل بھک ابھکوڑہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفرنامہ لکھکر قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی نہ ہو سکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفرنامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ دہانک بلی ۔ کہ در ملک دکھن پڑی کھل بلی
برآد عسکر بصد دھوم دھام ۔ کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام
دریں پیرسالی و ضعف بدن ۔ مچائی دھما چوکڑی در دکن
زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا ۔ نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا
کمر بستہ ہشیار میدان پر ۔ شب و روز تیار گھمسان پر

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگت میں کر گئے ۔ تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا
ہوا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ آباد میں ۔ خبریں گئیں بغداد میں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہوگیا تھا۔ اور بجائے ژٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہوگئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں	چند پادشس وچند کہلہ بزن
زانکہ ایں با کسے نکرد وفا	برہمہ نقد وجنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف پادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص وعام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کردیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع واقسام ظرافت نظم ونثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنمیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں۔ جنمیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم ورواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ انکی لغت بھی ان کے کلیات میں

شامل ہے - ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں -

حصہ نظم - جس میں ظرافت - واقعات - ہجویات - رقعات - دستور العمل - پند و نصائح رجز - نسخہ جات - مسئلے - غزلیات - مورچھل نامہ - کچھوے نامہ مسدس - ظفر نامہ مراثی - سپش نامہ - تضمین قطعات - اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں - اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے -

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں - ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو -

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو - در چال مٹکے موبمو
دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ

جورو لڑاکا گر بود پر خوف و ڈاکا گھر بود
وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ

جو نار بچکے چال میں سسکی بھرے ہر حال میں
کالا تو ہے کچھ دال میں از قرب او زنہار بہ

جو رانڈ ہو کاجل کرے چوٹے چندن پر من دھرے
چوٹی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار بہ

گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب ساری نہ دے
بیٹا جو وہ یاری نہ دے ایں ہر سہ تن فی النار بہ

سسرا جو ہو دل تنگ جی ممسک خسیس بد رنگ جی
داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ بستانِ جہاں دم غنیمت است
شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است

دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا
زاں ساگ خام بجیہ شلغم غنیمت است

گر اسپ صفا نبود رو بہ کار تو
یک خچر گدہری یا لم غنیمت است

آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو
آواز بول بیگم و خانم غنیمت است

تربوز و خربزہ نبود گر میسرت
یک سبز بھاٹک کھیرہ بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہر و بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑا سر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشنداس کا تال گنڈا کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامۂ چوڑیاں دار او
چو ایں ماجرا جان بابا شنید — دوا دو دوا دو پیا پے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بو مڑی — کہ گیدڑ کے منہ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں دہما دہم کٹا — بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عت عفش مردرا ڈر بود

مدح شاہزادۂ محمد کام بخش

سنو اے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو بُرا اُس میں جیتا کرے
غیا غپ شپا شپ کے پالے پڑے

من از ضعف چوں چوئی وبجو سیم
نہ چوری سرافیل سنگوسیم

مرا طاقت مکر او کجا است
تن وتوش آنکس چو کائی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برُد کردئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلادیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے
فتح خاں کی الّی..... نکلے

مدح حُسن معشوق

جعفر چہ بہسی باشد وکس باغکی پلی
بر حُسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو

باتیر انا کانی دبر چھی تغافل
امروز بجھے مار نہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذریغا کہ جوبن چلا روس کر
اَلّلے تَلّلے کا گھر موس کر

ارے ہائے جوبن چلا جائے ہے
چہ چارہ کنم ہلے رے ہائے رے

مرا عشق وا کھیل پن از تو بود
شب و روز الیل پن از تو بود

طفیل تو بود این کلیل وچھلنگ
بسیل تو بود این الول وترنگ

جوانی ز من چوں شنید این بیاں
بگو گفت در گوش ہوشم عیاں

کہ اے کل ٹرہ دینج ہردکہنہ پاں
توئی میزبان و منم میہمان

ندانی کہ مہماں نگیرد قرار
بجز ایک شب یا دنا دو ئے چار

بروصبر کن با بڑھاپا بہ ساز | ازیں پس مکن پا بہ غفلت دراز
بڑھاپا بود مغفرت خواہ تو | سود تا لب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں | کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوط | در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت | آنکس کہ شکم سیر بہت کھوہ نباشد
برتھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ مسنہ دل | تار وئے تو فردا چو سیہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری | منظور چنیں توبہ پھسلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب | کٹاوے لڑاوے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھوں دھوں کیا | بہ سرنا و کرنلے پھوں پھوں کیا
عجب اوٹ ایں کھوٹ بیجاپور است | کہ ہر برج او شل بھنہ سر است
چہ گویم ازیں قلعۂ سب لگاؤ | کہ انگشت رانیست درے لگاؤ
لگا کوٹ کو مورچہ جاسے کر | نکالا سکندر کو اکلائے کر
زہے بادشہ اوجڑ و دیو بھوت | بلی و ولی نعمت چار پوت
ازیں تیں بیٹے نپٹ ناخلف | پسر خود خلف بہ و گرنہ تلف
و گرنہ چہ یارا حسن شاہ را | کہ گرداند امرے شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ باشاہ باز | بہ ہیجا در آید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند | چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری
بہ نخوت زند دعوئی ہمسری

چہ گیدڑ چہ لمڑی بہ پیش پلنگ
چہ جھینگر چہ مچھی بہ پیش نہنگ

چہ جھمل کہ دعوای رائی کند
چہ کھٹمل کہ پر چار پائی کند

چہ قطرہ کہ سربار دریا شود
چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود

چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند
چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند

چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف
کہ دیکھے مٹا تھوک سے چوں حروف

چہ مدناجی پنڈت چہ مرزا خلیل
بیک دھار پیشاب گردد ذلیل

در آفاق بسیار چکر زدم
بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم

بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز
ندیدم دریں سیرگاہ مجاز

سپیش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جواں زٹل دادخواہ

جوویں پڑ گئیں در قباؤ ازار
نئی آئی مشکل بہ دلی دیار

آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی
چو دیدم کہ فوجاں جواں کی چلی

لڑائی پڑی جواں سے وقت رات
جواں کا چلا منہ چلا میرا ہات

جواں مارتے مارتے شب گذشت
دلے یک جواں از میاں کم نگشت

کروڑوں جوویں اور اکیلا منم
دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم

کہ در رقبہ ایں قباو ازار
پھروں کھیلتا میں جووں کے شکار

بڑا پہلوان است افراسیاب
کہ از زور جواں خورد پیچ و تاب

جو را کاسس جواں کند ترک و تاز
شود سرنگوں طرہ طرہ باز

جواب افضل خان صدر الصدور
جواں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امین خاں بڑے سار دھول | جو اں سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شہ داد خاں جی بڑے شرع دار | بہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال | بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکین سخنداں | بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زرگوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صنم تنہا نیاید از مر آب | میکشد زانداز یک غربیلہ از روئیس آب
چوں برد حاصل کسی از وصلش کہ ہچل آسیا | مے جہاند از من او دہا نت گرد بدن آب

جگت ۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے ہیر تجربہ قریب ۳۲-۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بیناب بیر ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی ۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیوب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ دھو ہذا ۔

بڑے بھنسار ہولی کے جو بھیا ہمرے سن پائن | بلوا بھیج کے توا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر | بچھونا پھر رسوئیاں ولئے کرے بان دہ بچھوا تن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگواسے لے آؤ   دسا ور پان مال بھوجی سے کتھا کوب لگوائین
کچوری پوری ربڑی دال موٹھ اور برفی تنکونے   پڑکیا اور پیپریا گھر میں اپنے کوب پکوائن
گرج ہم کہہ سکت ناہیں بڑی کھاتر بھئی ہمری   ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائن
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گا ئن ہاری بلوائن   ہماری گود ماں ہٹلائے کے گانا بھی سنوائن
عبیر اور بتاسب رکھا رہا بھر بھر کے تھریا میں   ملن ہم سے بھی گلوا ماں اور لبڑ منہ میں ملوائن
منگائس دارو مہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل   بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کلہڑ ہم کا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو   نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو
ہمہ تن یاس کر دیا تو نے   ستیاناس کر دیا تو نے
دونوں رخسار عنایت کریں اک اک بوسہ   اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے
دہکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا   چندہ وصول ہوتا ہے صاحب بادہ سے
جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے   کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو
چشم نے میری اشکباری کی   کاشتکاروں نے کاشتکاری کی
ایک دن رویا برائے امتحاں میں ناتواں   سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے
میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو   کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا
حسینوں سے نظر جب مجھسے لڑی ہے   لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے
خبر دیتی ہے ہچکی ان بتوں کی   نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے
پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں   تمھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے
رخ انور پہ ان کے ہے عیاں خال   یہ بیڈہب دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   بت بے پیر پر لعنت خدا کی

ملک کرناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دل ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اُسیدن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربت دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اکڑنے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — نمرود سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحب اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شب وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہوگئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان ہر عرب — اوڑھیں گے کیا کفن یونہی ہم ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین چوتھا نیسر ضلع کرنال کے رئیس

تھے ان کے فرزند ارجمند تھے۔ ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوش مزاج ہوتے ہیں۔

روان جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا
تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا

چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو
جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو
بنا میں ہیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں

ترے غم نے مجھے بخشا ہے اسباب عشرت کا
کہ شکل اپنی بنائے مثل موسیقار پھرتا ہوں

کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجئے
اسی کے واسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں

تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں ہے تجھ
کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اُس پہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر
شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے

سیم کی طرح دل گداز میں ہے
میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے

کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ
تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے

آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب
اک جوابی ہے اک سوالی ہے

زلف سلجھی رہی تو ہے وہ کمند
اور اُلجھی رہے تو جالی ہے

ہم غریبوں کا بستر اک یا
اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مت پڑا مانو جمیل اُسکا — اُس کی گالی نہیں سہائی ہے

جوشش - ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا - مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے - اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے - تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے - ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے - اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۷۹۳ء میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے - ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے - جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا -

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا — بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا

جوکر - حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں - اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں - گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے - مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے - آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقہ شعرا کی انجمن ہے - آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں - اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی - مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اُسی پہلے کلام کو تند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کھنڈو مرے سوگوار سے
تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا
کہ اُن کی جھوجُھر کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوفغاں ہوتا
تو بی لیلی کے اوپر اونٹ پر ساربان ہوتا

کسی کے کان پھٹ جاتے تو کوئی گونگا ہوتا
اگر بندہ نصیبِ دشمنان مجوفغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا یہ بچت ہوتی
کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دُبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پھرتی
جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسین جتنے سدیشی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی
جو ۲۲ سنہ میں میرا گریباں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر سب وصل کی راتیں
اگر خود ناقۂ لیلےٰ کا مجنوں ساربان ہوتا

گیے کے دس گھڑی کھیلنے میں کام آجاتا
مرا دل ہوتا کاش املی کا چیاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھوجُھر میں گھستا
مرے صیاد - جو کرکا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمیٔ روز شمار سے
مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو جو لُھانا ہنگی یار کو
کچھ گلے میٹھ کھود لیگیا میرے مزار سے

تنگڑیاں دیکھ کر ڈینگی زلف دوتا کی ڈور
الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگدار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا بوجھ اسقدر نہو
جو لدے سے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی
اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی
کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلیٰ ہوئی تماشائی
مجنوں نے حماقت کی گرچہ رخ نہ دکھلائی

عشاق گراں جانسے ہاری شبِ تنہائی
یہ کہتی ہوئی بھاگی مردو نہیں قیس آئی

کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو جلاتے ہو
ٹھٹھکے ہیں نہ جلجائے اکروز مسیحائی

دہم اُن کا دمِ رخصت کام آیا بہت میرے
وہ بیٹھ گئے اُٹھکے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی
اللہ کرے اسیرِ عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں
تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو
آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے
داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے مگر مچھو بچہ کا دشمن
اللہ کرے گر پڑے بھنگی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حارج ہوئی اُسکو
بالائے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک
رکھتا ہوں میں بھی باغ میں سو مچھو بچہ لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے
رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے

جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ
دیتا ہے اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے

جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق
رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا
بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں ڈر سے کہ نہ گھبرانا
جب قتل کا وقت آئے چپکے کھسک جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا
اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کسکی ہمت ہے جو مے مانگے — اک ہاتھ میں جوتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا
آہ دل سوزاں ہو یا آنچ ہی جلووں کی — عشاق کی محفل ہو یا کوئی چرس خانا
دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں ہنڈک سے — ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دعویٰ روٹی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے — کہ سارا چوک ہے اور ایک جگر کا گریباں ہے
ادھر دریائے خوں جاری اُدھر انبار مُردوں کے — یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے
انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جونہی دیکھا — تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے
عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے — اگر سب ملکے چلائیں گریباں سا ہے گریباں ہے
دسہرے میں جو پوچھی اُنسے خیر و عافیت دل کی — تو فرمایا کہ وہ ٹیسو تو زیب طاق نسیاں ہے
کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل — لئے ہی چیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے
زمیں کے اسطرف آباد ہیں سب اہل امریکہ — تو کیا یہ ملک بھی منجملۂ گور غریباں ہے
ہزاروں ہی سڑی سودائی اسنے کر دیے پیدا — میاں جو کہ یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی — ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی
جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری شیخ جی ہوگی — بندھے ہونگے پاؤں میں گھنگرو گلے میں ڈھولکی ہوگی
شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو — وہ آتے ہیں نقاب اُلٹے ہوئے بے پردگی ہوگی
نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے ڈر رہے ہونگے — دکھائی آنکھ اگر مجھکو تو انگلی بھونکدی ہوگی
اُسے تو آپ ہی شاید کہینگے اپنا دیوانہ — کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی
میں سنتا ہوں کمر معشوق کی معدوم ہوتی ہے — وہ کیا شے ہے جو اسنے قتل پر میرے کسی ہوگی
گذر جائے گا کوئی انتظار شوق وصلت میں — خدا کی مار تم پر اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی
بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی — خدا چاہے تو ہر نسخے میں رومی مصطگی ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹہرا　　خر عیسیٰ نہو گا میر جی کی وہ گدھی ہوگی

وہ سے یہاں کے لئے ہے پرے وہاں کیلئے　　بچھا نہ بات کیلئے ہے زباں بچھاں کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے　　میں صاف کیا کہوں تجسے کہاں کہاں کیلئے

لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو　　یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے

میں چنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے　　بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خوں کیجئے لیکن　　کہاں وہ بات جو تھی قیس ملزماں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے　　دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جوئیندہ یابندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمایئے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے　　واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق　　مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن　　میری شیریں کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار　　سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری کھوپی ہے　　اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال　　دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق　　صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چائے کا ہونا ہے۔ سر دست حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطبائے حیدر آباد کی نومشقی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

بھلا کہئے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری	مجھے بلوا کے خود ہی آپ سن لیں داستاں میری
اندھیرا ہی بھلا ہے میں اسی کی قدر کرتا ہوں	شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہیں چوریاں میری
جناب شیخ مجبوری ہے تو اب دال حاضر ہے	کہ سب کام آ گئیں نوبت بہ نوبت مرغیاں میری
ملٹھی کاسنی کب تک کہاں تک خطمی و خیری	دوائیں اب تو بدلو اے حکیم نیم جاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزعم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اول اول مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے" لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اسکو اگھوری بنادیا۔ گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گو گا پیر کی ہمنشینی نے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پا تراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے اُستاد بے بدل تھے۔ گو انھالنے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے اُستاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کردں کہ اسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو ہا چھی چھی ہوگی اک دن گوہ گھیر آبدست	مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار نجس اس ترک کو	لینڈیوں سے بند ہو گیا ہے شیر لبتاں کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو	برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے بڑھا ہے شیخ کا مہتر لپسر سے ربط	بدلا ہے گو ہا چھی چھی سے اُن کی قبا کا رنگ
پاخانہ اُسکے فیض سے رشک چمن بنا	گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دبار سے بدتر میں سمجھتا ہوں اُسے — کسکو دھمکاتا ہے چرکلک کے دو دھارا قاتل

سہمگیں ہو گئی ایسی بری صورت نزع — بگڑے ذہن سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل

دست پر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر — ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل

دست بردار ہو ان باتوں سے آجانے دے — قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلوا قاتل

بتنگ آئے ہیں دنیا کی گوہا چھی چھی سے — ہو قبض روح نجس چھوٹیں اس عذاب سے ہم

فلک ہو طشت ستارے ہوں پھٹکیاں گو کی — جو گو کے چھوت کو نسبت دیں آفتاب سے ہم

ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کی خاک — یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم

بنائے چرخ بریں طشت کہکشاں کھڈی — ہگے گا کونسا شوکت نشاں نہیں معلوم

ہمارے پاس بناتا ہی گھر جو اے منعم — ہمارے ہگنے کی کیا داستاں نہیں معلوم

ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں تم چرکیں — جہاں میں کسکو تمہارا مکاں نہیں معلوم

دماغ کو یہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو — کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں

سڑے کیطرح سے گو کھاتے پھریں کہتک — جمال اپنا دکھا دو پری شتاب ہمیں

کپڑے چرکیں جب بدلتے ہیں — عطر کے بدلے موت ملتے ہیں

نہیں کہتے ہیں خیر ہمکو برا — اپنے منھ سے وہ گو اگلتے ہیں

کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن — نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں

بزم جاناں میں پادتا ہے غیر — ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں

تیرے بیمار کے ستلے غمخوار — پوترڑے دمبدم بدلتے ہیں

طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے — گو کے مضمون جس میں ڈھلتے ہیں

سگ دنیا جو ہیں کب جود وسخا رکھتے ہیں — گو بھی ملی کیطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں

گو ہا چھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے — گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں

گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ — تجھسے امید یہ اے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوز شتر بید محمل ہیں   پے جمازہ گر مثل جرس فریاد کرتے ہیں
رقیبوں سے تو قارورہ ملا ہی اسقدر اُن کا   معاً حب نکر بیت الخلا میں جا دستے ہیں
اٹھائے گو مرا کیونکر نہ مجنوں شوق وحشت میں   سعادتمند لڑکے خدمت استاد کرتے ہیں
طلب کرنے نے انکے کر دیا مجبور یوں مجھکو   چلا جاتا ہوں ہگتا پادتا جب یاد کرتے ہیں
دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے   رغبت نکرے گو پہ کبھی زاغ کماں کا
سُدوں کو کبابوں سے اگر دیجیے تشبیہ   پاخانہ میں عالم ہو کبابی کی دکاں کا
چرکین مرے کوچے میں کہیں رہنے نپائے   مہتر کو یہی حکم ہے اس آفت جاں کا
پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے بیچ میں   پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا
گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال   بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا
تو نے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا   گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا
عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ   گوز اک تو نے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا
ہے متوڑا طفل اشک غیر دامن میں لیے   موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں
پادا اونی سا ہے چرکین نازسے بولا وہ شوخ   دب گیا ہو گا وہ گھوڑے کے خس و خاشاک میں
موت کے کہتا ہے ہمسے اپنے کوچہ میں وہ گل   اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں
چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں   مطلب ہے پائخانہ دلدار سے ہمیں
کرتا ہوں عرض حال تو کرتا ہے گو نہ کھا   ہوتا ہے درد سر تری گفتار سے ہمیں
کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے زر پیدا   تو بھی چرکین چلن نیاریوں کا کر پیدا
گردن شیخ پہ رندوں نے رکھا بار گناہ   کھا دا اٹھوانے کو اچھا کیا یہ خر پیدا
گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سچ جھوٹ نہ بول   صوفیا ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا
کوچۂ یار میں پھولا ہے جو کوکر مُتا   بلبلو ہو گا نہ پھر ایسا گل تر پیدا
اُسکے رتھ خانے کی دیوار پہ کنگل کیجے   لید گر ثور فلک کی ہو زمیں پر پیدا

وصف گیہ ہوئے عنبر میں غضب جرکیں نے
گو کے مضمون کئے عنبر سے بھی بہتر پیدا

چمن میں پھینکا اس گل نے جو استنجے کے ڈھیلے کو
گلیلہ بن کے توڑا سنگ دانہ اپنے بلبل کا

اُدھر پڑے جسے وہ ہاتھ اُس کو دست چھٹے
کبھی جو باغ سے مل کر وہ گل حنا نکلا

اگر بیت الخلا آیا جرکیں کا مکاں ہوگا
وہیں تسکین دل ہوگی وہیں آرام جاں ہوگا

سمند گوز نکلے گا تو جان خفت سے جائیگی
یہ گھوڑا توسن روح رواں کا ہم عناں ہوگا

اگر تعریف بھی کیجئے تو ہو جاتے ہیں کھسیانے
جرک پدنا نہ ہنستا بھی کوئی اے مہرباں ہوگا

فلک نے مار ڈالا کیسے کیسے ہگنے والوں کو
مقرر اس برس کچھ کھاد کا سودا گراں ہوگا

ہگ ہگ کے یاد باد سے وہ ملتے بوجھ کے
میرا جو طوق قمیص کے زیب گلو کریں

جو لوگ شیفتہ ہیں ترے سرو قد کے یار
پیشاب بھی نہ جا کے لب آبجو کریں

موت کی تھالی ہے یہ تو ساقیا ساغر نہیں
خون سور کا ہے اسمیں بادۂ احمر نہیں

کھانا پینا موتنا ہگنا نہ کیونکر بند ہو
زیست کا جس سے مزا تھا پاس وہ دلبر نہیں

گو میں جو ڈالے گا ڈھیلا کھائیگا چھینٹیں ضرور
شیخصاحب بحث نا بندوں کے کچھ بہتر نہیں

عمر جرکیں کا ہوا گل اوبٹ پر فن چراغ
کھڈیوں میں مہترونکی گھی کے ہیں روشن چراغ

میلہ ہے گوگا پیر کا چھڑیوں کی سیر ہے
چلئے نواز گنج کے بازار کی طرف

جوشِ جنوں میں ہمکو یہ پاس ادب رہا
موتا نہ او پری ترے دیوار کی طرف

مژدۂ وصل آئے جائے فراق
ہنگ ہگتے ہیں مبتلائے فراق

ہگ چکے خون عاشق ناشاد
اب کوئی اور رنگ لائے فراق

بھلا کیونکر نہ آئے دست لے جرکیں مجھی خوں کا
تصور جب بندھے رونے میں اُسکے روئے گلگوں کا

ہزار ول پیچ اٹھیں پیٹ میں دہشت سے ہگ مارے
سنے گر سانپ افسانہ بتوں کی زلف شبگوں کا

پاخانہ دہی ہو گیا گلزار تمہارا
کھڈی میں گرا ڈوٹ کے جب یار تمہارا

پیدا ہوں ہر اک دانہ کی جا سینکڑوں خرمن
گو مول لے جرکیں جو زمیندار تمہارا

بیت الخلائے یار میں کیا غیر جا سکے
دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک باغباں
تھالوں میں گو پڑے جو مرے گلعذار کا

کیا کہیں تجھسے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی ہجو
پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھسے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا
رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائرِ ذکرِ مدح غیر بھی
گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے
پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیئے پاخانہ آج

خواہش آرائشِ گیسو ہے چرکیں یار کو
چاہیئے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے غسل
ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے
گو اچھالے گا بہت چرکین اپنے نام کا

سُنے گر رستم دستاں تو ہگدے ڈر سے خطرہ کے
غرض اظہار کے قابل نہیں ازہار اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب
پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخصاحب سر مبارک پہ ق
یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اسپر
لینڈ ی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو زر کماؤں گا
پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا
سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جواب کے جاؤں گا
موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں
گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر مرے ہنستے ہو کیا
آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا ہر جائیگا

روز و شب ہگنے سے تم اُسکے خفا ہوتے تھے
مہتر و خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلی کے اسفل سرکشی کرتا نہیں
سامنا پھسکی سے ہو سکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا تھر ہے
تھا مگر گوز شتر نالہ دل ناشاد کا

پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا	مجھ میں اسمیں فرق ہے شاگرد اور اُستاد کا
یہ دعا ہے روز و شب چرکیں کی گوگا پیر سے	میں بھی اب مہتر بنوں جا کر الہ آباد کا

چناں ۔ اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جس کے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب آپؔ صاحب جلیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے ۔ غالباً طبیعت کے استغنار اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں ۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو ۔ مگر سعدی ۔ انوری ۔ عُبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جز و سمجھکر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا ۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو ۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یقین دلاتی ہے کہ کسی نومشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ ظرافت کی برجستگی ۔ شوخی ۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے ۔

اثر تھا بارِ غمِ ہجر یارِ پُرفن کا	مرے پلنگ کا کھٹمل تُلا کئی من کا
یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یارِ پرفن کا	کہ اُسکے در پہ لگا ہی درخت بیگن کا
گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ	کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے	نہ کیوں گماں ہو دلِ سوختہ پہ انجن کا
کرو علاج اگر سر میں بال خورا ہے	لگاؤ تیل ہمارے چراغ مدفن کا

بڑھی ہی صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری　　　　چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے　　　　نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہی یہ اسکا منھ بڑے یارب　　　　چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی　　　　کٹھل ہوں باغ جنت کا دہتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب　　　　اور انڈے جو بچے ہیں دو دو سیلے عندلیب
آتی ہی فصل خزاں پکنے کو ہیں بر گد کے پھول　　　　دیکھنا ہوجائینگے کو دوں کے بیلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اس کے آشیاں کو دیکھنا　　　　آج پنجوں میں لئے بیٹھی ہی ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ　　　　نہ ہیں اسپار نہ اس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر　　　　اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب　　　　نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات　　　　در پر رہی کسی کی سواری تمام رات
گائی جو آکے ان کی کہاری تمام رات　　　　ڈہولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں　　　　اسنے چلائی زور سے آری تمام رات

نہیں تھیں سرخ مرچیں گر تری تلوار کے پھل میں　　　　تو کیوں منھ کھولتے ہیں زخم دامنداز کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھکو خلل آج　　　　اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا گونڈوں کا ہے وعدہ — کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا — منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح
بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے — چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح
دیوار یار میں نے گرائی ہے دوستو — انٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح
باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے — گنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح
دیکھا نہ ماکیان چناں کو کبھی کڑک — انڈے دیئے گئی وہ انیفور کی طرح
راضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد — سب سے جھکوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد
میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں — حیوان میں بھی ہوتا ہے ماوہ کو نر کا درد
چھونے سے پڑ گئے ہیں تپی اُن کے منھ میں چھالے — پھولا ہوا ہے پورا گلزار منھ کے اندر
پانوں کے نام سے وہ بھونچکا ہے میں چونہ — تیار ہو رہی ہے دیوار منھ کے اندر
یار کے روئے مخطوط کے قریں کچھ خال ہیں — آج آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس
جو بناتے تھے مکانِ یار خاص — مر گئے افسوس وہ معمار خاص
دوسرے خیاط کی کیا جان ہے — سی نہیں سکتا تری شلوار خاص
گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا — لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض
کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے — وحشی ہیں یہ انھیں تو ہے میدان سے غرض
ممکن ہے بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط — کھنچ آئیں سب آنتیں ہیں کروں کچھ جو فغاں ضبط
گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے — ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط
جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سبھوں کے — ہو جائے الٰہی دلِ مضطر کی دکاں ضبط
ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ — ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بھی جہاں ضبط
آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے — پر جلاؤ میری تربت پر جلانے پاؤ شمع

کس جرم پہ جلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلا تو لگا ہے تری کھچڑی میں کہاں داغ

دل بیٹھنا کیسا مری جاں لیٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
مل دیتے ہیں چونہ میں دکھاتا ہوں جہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم
المختصر اے یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر
جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک بورا بھر کے بیٹھا ہے کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پر عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت
گھبرائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر
شغل مے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر لے الگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ بڑ ٹوٹتی ہیں رسیاں
اے چناں بادہ کو بندھواتے نہیں رسے الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر مٹر
بیچتے ہیں یہ دُر شہوار ہم

رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح
وہ رہے اِس پار اور اُس پار ہم

قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک بھر رہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال لے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اڑے جام شراب
چلکے جھولا ڈالئے تم کچنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں — کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ — کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا — رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ — چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں لے چناں — اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اسقدر بالو سے رگڑا تن بدن — سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل حوا سی نظر آنے لگی — کیوں لگا یا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے — میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے — کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

سنا کنگھی کی تیری گر کروں میں — جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے

طلوع مہر پر کہتا تھا یہ قیس — مری لیلےٰ نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال — زمیں چپت ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اُس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع — چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے — سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جسکے چبھنے سے لہو بند ہوا اے صیاد — تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی — نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں — گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ سائہٴ غبر کے مل مل کے لگائے جاتے ہیں — میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چونچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کرکے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے ڈھول دھپہ پنڈت میں مولوی میں
ادھر بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکائے جاکر مرگھٹ پہ کھوپری میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
الونہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو
میری تو عمر گذری بس نو ویکنسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن
اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت
تہذیب نو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جسدن
دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اسے چو بخ تجھپہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

چرخوش سیّد اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپنے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے
شام ہی سے جو در دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی
کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے
زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مرجانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک
یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل
اک سرا دوزخ کے اندر اک سرا کھانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما
فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

مادرِ قیس نے لیلےٰ سے کہا حسن بیٹی
ساتھ اپنے مرے بھلڑ کو نہ حیراں کرنا

نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت یعنی
ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا

لیکے خوش خوش تو چلے ہمرا آئینہ دل
کام بندر کا نہ اے حضرتِ انساں کرنا

ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر پیلیس
قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا

کی ہیں اُس شوخ نے جیلر سے یہ خفیہ باتیں
اس چہ خوش کو بھی ذرا داخلِ زنداں کرنا

اپر وپلین عشق کا جب لے اڑا اب مجھے
اک تل دیار حسن دکھائی دیا ب مجھے

ہے صاحبانِ عشق کو لازم فروتنی
منی سی ایک مس سے ہوئی عشقیاب مجھے

مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں
اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے

کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی
انپر خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے

ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدحواس
کچھ ایسا منھ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے

یہ قہقہے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش
سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے دشت میں اچکنے لگا مجنوں
لیلےٰ کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے

جو فیض جسے حکمت قدرت سے پہونچ جائے
منصور کا پردادا بھی منصور نہیں ہے

بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز
ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے

در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے
کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے

ٹھڈی سے چلی جاتی ہی بکسٹ جو سے تا ناف
دُم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے

ایجان مجھے ذبح نہ گھر پر مرے کرنا
تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے

ہے عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس
پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حائے حطی

حالی ۔ خواجہ الطاف حسین نام ۔ حالی تخلص ۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے ۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا ۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا ۔ آپ کے مفصل حالات جابجا ملتے ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے ۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے ۔ جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا ۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا ۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا ۔ مگر ظرافت کو ہنسوڑپن یا ہزل گوئی ۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا ۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا ۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس پر سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں ۔ جہانتک غور کیا جائے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں ۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے ۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں یعنی بقول کیہ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے　　جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گدگدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر حیف　　طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد بھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ　　سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر　　نہ رہی جیزدہ مضمون سجھانے والی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں　　لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر　　کیجئے درد جدائی کی کبھی نقالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل　　قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیر زادے کو　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں　　لازمی ہیں وہ سب بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی　　ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں　　جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا — تیر آتا جگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی — رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا — لوگ کرتے رہے چنان و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر — کوئی تجھکو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا — جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے اِن بے پناہ تیروں کی — کہیں جاں دار کو اماں نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور — امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر — سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں کہا اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ — کس لئے سید سے صاحب اے حضرت والا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ — اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب وسیع — پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے — بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں — بلکہ ساری کلفت اسکی ہے کہ میں ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار — چھٹ جائے تا کہ مجھسے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک — آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار — منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا　　کب تک اے ناداں یہ حب مال و زر

تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ　　ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر

ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح　　زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر

آج ہی گویا نصیب دشمناں　　آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف　　تو دی چراغ سے اسکو بہ آب و تاب مثال

کہا فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور　　جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال

کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل　　نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ جو ہیں ملاپ　　دولت و بخت ہے ہر حال میں انکے ہمراہ

نہ انھیں حاجت اعوان نہ تلاش انصار　　نہ انھیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ

پر نہیں رابطہ جب قوم میں اور یکجہتی　　اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ

نہ ملاذ ان کے لیئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل　　نہ سفید ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا　　تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ

اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں　　دست قدرت کے ہیں سب ہاتھ سفید اور سیاہ

واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر　　پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر　　کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ

پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم　　اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے　　فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا

وہ خطہ ملعون تھا یہی جسکی بدولت　　تھا دل میں خدائی کا خیال اسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم | اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا | جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے | نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑھی گئی یہ ایک برس نیل کی رو میں | یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون | ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثناے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ | قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے | ہے جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آآکے جو لوگ | تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم | وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک | نہیں انہیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر | مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بری گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج | وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار | قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی | سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال | کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

۱؎ دلی کے نواح میں باڑی خصوصًا کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول
جو چل بسے کوئی ان کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا میری
کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں
پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایماں
کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح
فرمایا کہ بھائی جان ہی ہے تو جہاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا
یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر
اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقیٔ بشر
یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب
ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا
کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکّا
ہوتا نہیں مومن کا ایماں پکّا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکّا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہر کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب وگناہ
کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جسوقت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں
سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال
تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل
اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجّام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا۔ جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر اب وہ دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اُسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخرالدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمعہ اور منگل کو خضاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار ویدی بھی پر فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایف فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۷۹۳ع میں اسکی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے
بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں
میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ کھوبچے
ان تلک حجام ہی پہونچے نہ یہ حجام تک

خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی
بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

اُس شوخ کے کوچے میں نچایا کر و حجام
چھن جلینگے اک روز یہ اوزار تمھارے

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچہ میں اُن کی بھی حجامت ہوگئی

لگ چلئے جو اس شوخ سے رستہ میں تو وائے
جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور پرے نائے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا زور یہ حجام نے
شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آشنا

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۴۸ء میں نساخ کے تذکرۂ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونۂ کلام

چھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے | کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہی تو یاں دل کی محبت ہے | تمھارا حسن مہنگا ہے تو سکی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی | اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ترے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا | کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا
دیتا جاے دیتا جا لیلی کے کُتے کا کفن | چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تا دے قیس ہے پرند کو | ناقۂ لیلے بھی اک گوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے | ہٹیئے ہٹئے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا نکسن دلبر | اچھا اچھا کوئی لے دیجئے خرگوش مجھے
گالیاں سُن کے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں | اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیانک صورت | جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہشیار بھی کرنیکا نرالا ہے چلن | کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف | آپ لا دیجئے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس اودھ کے شاعر ہیں۔ ریختی میں سادہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے - نمونۂ کلام یہ ہے -

پہنا گلے میں تمنے جو پھولوں کا ہار ہے سمدہن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہی ٹیڑھی گر گردوں سیدھی طرح سے بات گھوڑے پہ آج بادکے سمدہن سوار ہے
سمدہی بتاو تمکو یہ کیسی ہے بے کلی آرام تمکو اور نہ اک دم قرار ہے
سو کھاہی اس نے پار اُتارا رقیب کو سمدہن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدہن احزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا لائق تمھارے منھ کے کڑیرا کھار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علمار فرنگی محل سے ہیں - قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے - نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں - دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں - مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں - اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں - ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل رواروی میں سر مشاعرہ دکھائی - آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے - اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی - اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا - نمونہ کلام یہ ہے -

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعہ چونتیس میں چالان ہوا خوب بنے بہکے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے
لائسنس کیس چلاؤں گا میں تجھپر ساقی مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
رو گئے دست جفا روکئے ورنہ اک دن ٹکڑوں ٹوں بھرے گا عشاق کے مرجانے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا — بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر — شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے — کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد گلچیں نے ستانے کیلئے — باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ ہو پیدا دل شیدائی میں — ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں
دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو — پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نہیں روز لنگوٹی باندھوں — ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو
آکر چڑھی ہے سر پہ جو بھتنی شباب کی — وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم — بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
یہ عذر کیا اُسنے اور جانے کی ٹھہرائی — دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چرپائی
پہلے مرزا ہد پر اک زور سے چپکائی — دیکھا جو اُدھر اُس نے بندہ ہوا ہرجائی
جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی — تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے
ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھینگ — مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے
چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں — عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں
پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہو عبث — اور بھاگو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
دندناکر گھس گیا میں محفل دلدار میں — منہ جونہی پھیر لے مجھے دربان نے یاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم — یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر دہی او باشانہ رنگ مد نظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضکہ اِن کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طریق سے اس پر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ — زرجز بجوان رند سرمست مدہ
موئے سر زلف امرد از کف مگذار — سررشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رجبی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگیں مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے ان میں کا ایک یہ شعر ہے۔

او مدہا پڑے ہے نیچے سدا ہر جوان کے — تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چند ربھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمینا چالیس برس کی عمر ہو گی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں۔

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت　　　کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت　　　نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت

اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے تھامیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے　　　ہوا میں بھر رہا ہے دون میں ہے
نئے تانتی کی گرمی خون میں ہے　　　اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے

پُرانوں کی وہی چالیں پُرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

یہ فیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے　　　سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں مُنی ہے
سخی کا لال قسمت کا دھنی ہے　　　وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے

کوئی کتنا ہی بیٹھے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں　　　کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں　　　پُرانی چال پر مرتے نہیں ہیں

تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں　　　پری کے منہ میں آئے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں　　　محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں

نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑلی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ مس روزی بنایا	بڑے دن کو کلب گھر میں نچایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا	سمند ناز پر کوڑا لگایا

چپیر غٹو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چھل بل	نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل	نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو	جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو	برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن	کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن	گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں	کسی لیڈی سے ملنے کو مشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں	کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گد گدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ - میر شجاعت علی صاحب نام ہے - بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے - چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں -

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھ کر آیا
کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا

پھونس سے یار کو جاڑوں میں جو پایا شب وصل
کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا

اپنی گھوڑی کو جدا کر تو شتر سے اے شیخ
ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو
ڈالدو کھاری نمک تم خوب اس میں پھر شیر ہو

ہے پرستو شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو
پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو

کیا کوئی چھیڑے اُنھیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ
ناک کے پکڑے سے جنکے پھوٹتی نکسیر ہو

ہو دہن کا انکے بوسہ میرے سودا کا علاج
جس طرح اے خندہ تلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے
گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے

لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے
کہ جب نکاح کے دن اُن کے تین چار رہے

لگا کے آگ کھانے کو جاؤں دیکھوں اُسے
مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ سے رشوت کے
لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے

سینہ پر ڈر کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں
ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

خنداں - عبد الحمید نام تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے - اِن کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آ کر رہے - مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہو گئے۔ خنداں مرحوم اول میں

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور رنگین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب حمید برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب نظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ وہ کیسکے ہوتے چند الفاظ تبدیل کرکے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضایع ہوگیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں مگر اُلٹے طریق کا　　　وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہوگیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷ - رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون ۱۹۰۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے - ۲۴ - برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی - اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا - شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا - جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلی پر پہونچ گیا - قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے - طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا - انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے -

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم ۔۔ آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے
یہ جھوٹ اور ہمسے بس اب رہنے دیجئے ۔۔ ہم بھی تو رات جھانک رہے تھے دوار سے
سُن کر پیام بر سے مرا نام یوں کہا ۔۔ وہ ہی تو دُبلے پتلے نحیف و نزار سے
معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب ۔۔ یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے
خود مجھکو تجربہ ہے بس اب اور کیا کہوں ۔۔ خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بُری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس سے آدمی ۔۔ آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شترخانہ پہ جو مامور تھا ۔۔ پوچھا اک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں
ہو گئے اُسوقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے
کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے
کر رہے تھے گفتگو باہم دگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو
کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب
وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح
اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا
کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے
میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے
سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا
کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے
سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُس نے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں
خدمت زمزم میں بھی گاہے گزر
سن کے اُسکے منھ سے یہ سیاح نے
سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں
روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب
ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت
کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ
اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں
آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات
تب کہا سیاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی
ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

دبنگ - حافظ سراج احمد نام تھا - مراد آباد کے رہنے والے تھے - مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے - تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا -

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا   کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دُگانا تخلص تھا ریختی میں - مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجور تخلص کرتے تھے منشی اسد اللہ نام تھا - علی جان کے عرف سے معروف تھے - مقام چیچڑہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے - ان کے آباؤ اجداد کا وطن قدیم دلّی تھا - مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی - اور یہی قدیمی وطن ہو گیا - چنانچہ دُگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے چیچڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا - اور یہیں تعلیم پائی - دُگانا کو ابتداے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثناے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے - کلکتہ میں اُس وقت مولوی عبد الغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بہ عہدہ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے - چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجور تخلص اختیار کیا - مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا - اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں -

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے   صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے   پھر لیا زانو دنیں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں   کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہی شوق و داغ دل کی کنکیا اڑانے کا
بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریبانکی

مرا اس ناز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بت نے
ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی

سوالِ وصل پر جو ہر دم انکار رہتی ہے
مری جاں آپکی گر دن ہو یا گردن ہو ٹٹیاں کی

بڑے تیکھے ہو سیدھا کہتے پر لا کر بیٹھو تو
تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی

میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں
اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی

نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل
مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں زلف جاناں کی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڈھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گذارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہوگیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۸ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

مت کسی اپنے یار سے کہنا
وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا

روز دو تین چار سے کہنا
اور یہاں دلکی بیقراری سے

سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلگیر منور خاں نام تھا میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے - مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے - اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو - چنانچہ اسی افتاد مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدی - گوجر - جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کر دی - اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا - مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے - اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا - دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا - بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے - مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کر دیا - پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں - غزلیں - قطعے - مثنوی - سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا - اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرایا - آخرکار ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا - انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مرادآباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں - کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی - بلکہ اُن کے طرز تکلم - اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع - اُن کی صورت آبادی اور بود و باش - اُن کے جذبات - اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے - یہ ایک انتہا کے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تا وقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو - اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں - مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہو سکے گا - اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھالک ہے مے مالک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جواوے — تیرا انت کوؤ نا پاوے

تو راتوں کو ہمکو مارڈالتا ہے اور دن کو زندہ کردیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا

تجسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جاکی جگت کرے سگ پوجا

تجسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

توہی لاڑے میگ ملارا — توہی بوادے بونڈا جہارا

توہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — توہی ہماری کھیتی اور بونڈے بوآتا اور کاشت کراتاہی

ہے مرے صاحب بکھسن ہارے — پہاڑے کھوٹے کا گد مہارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالنامے بدی کے چاک کردینے والے

دلمیرا ہے تیرا داسی — توہی دیگا تاتی باسی

دلمیر تیرا غلام ہے — توہی اسکو تازی باسی روٹی دیتاہی

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پر جاکے راج ولائے

خدا کے پیارے رسول محمد — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — مہاری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھویو اندھیرا — کراُجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اوجالا کافی ہوگیا

کُران سریپہ کھدا کی بانی ہمیں سنائی پڈھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہمکو سنائیں
پاپ کٹے اور پن سنوارے ہوگے ہمارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ مہاری ماتا نیم دھرم میں ہیں کیبلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں دین و دنیا میں بھیثل بخشش کرنیوالی
مہارے نبی کی پیاری جائی جاکی سینک حوراں کھائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی جن کی حوروں نے سینک کھائی
باپو کی امت جن بکھسائی مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی جنہاں ملکوں دھوم ٹھائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے ڈرلمہ ہو گئے مارٹنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا   جاڑا لگے سوڑ ماں دھس جا

آج رات کو ہمارے گھر رہ جا   بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ

چار پہر کا کاٹن کے ہے   بڑی پھجر کے تڑکے نس جا

چار پہر رات کا گزارنا کیا   صبح صادق ہوتے ہی اُٹھ جانا

میں کرلوں تو نے چُمّا چاٹی   تو سانتھڑ سوں سانتھر گس جا

میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا   تو ران سے ران ملائے پڑا رہنا

تو مونے بھولا پنچھی جانے   تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا

تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے   کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا   کاہے کا ٹرن ناڑا کا ڈھیا

کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا   کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے

اک مٹھی دے پران لکاڑے   موسوں ڈوڈھا بھاڑا کا ڈھیا

ایک بوسہ دیکر جان نکال لی   مجھسے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا

کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا   جنگلاں جنگلاں تاڑا کا ڈھیا

کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا   جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا

سو بریاں دلیر عسک ماں   ٹانگ تلے اوہ سارڑا کا ڈھیا

سو بار دلیر عشق میں   مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا — مار کے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا — اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں — میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے — میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینڈر چلاوے — یو مہارا ساڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے — یہ ہمارا سالا اوت۔ بلاسا

آجا مہارے پاونا آجا — دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا — جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی — پیت پچھوڑے کو کھٹی ناجا
اے دوست کسی کی محبت نہ کرنا — محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرد — مہارے ہی اوپر دہونسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا — ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا — پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا — اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل بج بجے گی — میں تو کوڈوں گا ڈاٹھاوں گا
جب تیری پایل بج پر آواز دے گی — میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں موسے ہوڑ بدے گا — تو نے لیلی ڈھگ بٹھلاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا — تو بتھے لیلیٰ کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جٹ ہو گا — میں تو سینوں مرمر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہو گا — تو میں اشارے کے مارے مرجاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا　　میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی)　　میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پھلکا مانڈا　　یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے　　یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

منہ جھریسا دونگی دوارے نیلور کا　　پلہ کھوسے ہے مہاری چادر کا
میں ایسے معشوق کے منہ کو جھلس دوں گی　　چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے　　گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں　　سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑ کر لیے پیٹ مجنوں ہت تری دادیکی پونچ　　ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی نار سو من کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کر ہت تری دادی کی دم　　ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سو من کا

لا رے کلا رٹے کے پھول سراب　　سیسا دکھے جیسوں گڑاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلادے　　شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمکتا ہو
پاؤں پاگ کاکھ میں جوتی　　ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پر جوتی　　جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عسک کجات　　دیہی روکھ نہ چھوڑے بات
کالا کافر عشق بد ذات ہے　　بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلمیرا سر سہرا باندہو　　چلو رے بھائیو چڑی برات
دلمیر کے سر پر سہرا باندہو　　بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو یانی نوسی　　ٹھائے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی نوشی　　اٹھالے رے بڑھے ہاتھون ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج　　اوہی چھلنی اوہی چھاج
او چماری کی لڑکی خوب راج کرلے　　چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے
موج مارلے سبھے اُڑالے　　جدلگ رہوے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑالے　　جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلیرا جنم کا بھوکا　　کدہیں نہ دیکھا سکے ناج
یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا　　کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک　　رہے مکدم ادت کے اوت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی　　مقدم یعنی چودہری صاحب ادت کے اوت رہے
کہدے رے پانڈے سانچی سانچ　　مہارے کرم کی رکھیاں بانچ
او برہمن سچ سچ بتا　　ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر د کرم میں کھول　　بھرلو ناج سوں کوٹھے پانچ
　　پانچ کوٹھی اناج سے بھر لو
یابد اچھلو کھا کھا ناج　　جابد ہرنا بھریں کلانچ
ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو　　جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
کہے دلیر جو پانڈا جھوٹ　　سر پر مارو جوتی پانچ
اگر نجومی اے دلیر جھوٹ بتاوے　　سر پر پانچ جوتے مارو
دہولے بلد کی دہاڑی پونچ　　لاگے بڈی سہانڑی پونچ
سفید بیل دہانی دم　　بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاے بیٹھے ٹانڈ
مچان پر بیٹھ کر کوے اڑالے
سب سوں بھلے یہ موسل چند
سب سے اچھے موسل چند
نیناں تیرے بڑے ملوک
تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا
گورے گورے رخسارے مکئی کی روٹی معلوم ہوتی ہے
پانوں جوتی سر نا پاگ
پانوں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے

پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ
گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا
کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
ایک سیں مان جن دو ٹوک
ایک اشارے میں اوکے دو ٹکڑے کردیتی ہیں
جنھاں دیکھے بھاگے بھوک
ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوے ہیں
مکا کی روٹی چنے کا ساگ
چنے کا ساگ اور بڑی جوار کی روٹی

دوپیازہ - یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے جس کے پھڑکتے ہوے لطیفے آجتک زباں زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبدالمومن تھا - خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا - ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے - ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے - مگر تمسخر اور ہزلیت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے - کوئی بات ہوتی - کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر یہ اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنادیتے - ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے - ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ برمحل اور

چھبتی ہوتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے۔ اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا۔ وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھیپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا۔ کہنے لگے کہ بس اب دوپیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں۔ چنانچہ ازاں عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف۔ النامہ۔ ملانامہ۔ یہ سب ملاہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گھونا ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے نک چھکنی ہاتھ مل کر تیں تاک، شیخ کیتی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے رم درب بغل میں بھاگالے اوڑھنا بچھونا
دو پیازہ از دل و جان قرباں چرا نباشم جو بن سے مدھ کا ماتا وہ سانولا سلونا

پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دوپیازہ کی دلداری کرت ہے مگر صد گونہ ہا خواری کرت ہے
دو پیازہ اب نکس ہنڈیا میں آئے کے مکھی کے ہاتھ پھنس گئے جائے جائے کے

دوزخی۔ لالہ ہرچند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں مجھے مرزا واجد حسین یاس دیگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مزاحیہ کے لئے ایک نیاز مندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ اُنھوں نے بھی بر بنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتدائی معنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا ہیں — اسبات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہد ہد بھی شاعر بن گئے — جانور کے سر پر تاج اچھا ہے

مرزا دھیمے اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر لمامور معذور نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مانا کہ داغ بیٹھنے میں ایک ہی داغ تھے — اُٹھنے میں دیکھئے نہ مگر پھر حباب تھے

باغ سخن میں مانئے ہر چند عندلیب | روغن میں رنگ میں تو شبیہ غراب تھے
قند سیاہ گرچہ مقابل تھا تلخ کام | شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی راب تھے
تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرج کچھ ٹوئد | یہ سچ ہے دھوپ چھاؤں کے وہ آفتاب تھے
تھا تذکرہ تو پورٹ کا دہسکی کا بزم میں | گو مست حسن صورت و کیف شراب تھے
ٹپکی تھی لیڈیوں کی کمر پر بھی خوب رال | نگھی نقش بردل جو تھے لاجواب تھے
کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں کورٹ شپ | بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے
ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں | خوبو میں ہر طرح سے لونڈ گلاب تھے

دیوانہ طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ ۱۸۶۷ء تک زندہ تھے۔

بندہ بے داموں بکا ہے آپ کی سرکار میں | شوق سے بیچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں
مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہی کیا | گالیاں دیتے ہیں وہ دشمن کو ہر دم پیار میں
ہوگیا ناز اُن کو اپنے حسن پر حد سے سوا | جو نہ کہنا تھا کہا سب ہمنے اُنسے پیار میں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ تو بولے ہنسکے وہ | بولتے ہو مرکے تم دنیا میں زندہ پیر ہو
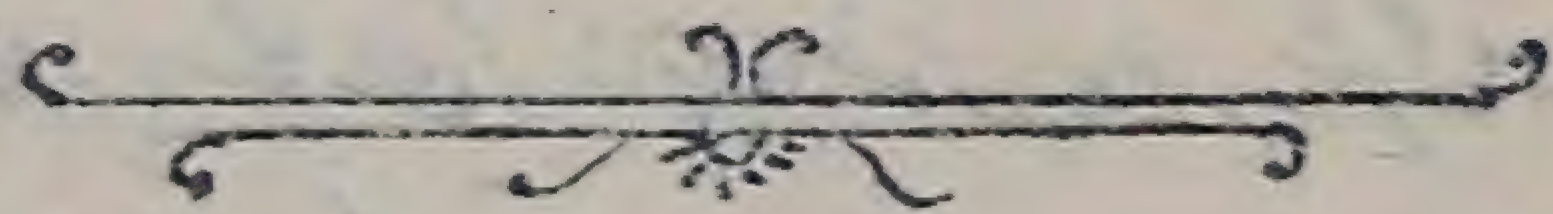
حرف ال ھنری

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکل پیچاں نے ڈالی ہے
اُدھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے

حیا کا ہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اُٹھئے
نہیں تو اب یہاں جو بسو کی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی۔ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرش در کار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ رے ٹاپ رے
ارے باپ رے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایکبار وز ڈھینڈس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد میں سات سو چھیاسی کی
ہمنے تازہ شراب باسی کی

ایکمرتبہ کسی کے یہاں تحفتہً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ ان سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معمول سے زیادہ رنج ہوا اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے
فاتحہ ہے پلاؤ مدفوں کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت یبوست اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظہ نے چند شعر محفوظ کر دیئے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اُٹھا لیگیا — وہ بُت کل مصلا اڑالے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم — بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھوکے عاشق کے واسطے ذاکر — گال سے شیرمال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی — آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلاتا بھی ہے — خوب قسمت سے ملا مجھکو کھلاڑی معشوق

جب گئے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں
پھر وہ کس کام کا کم بخت انا ڑی معشوق

بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر
کورے مٹکے میں جو دیتا ہی جو ناڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا بہرہ ذاکر
نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف

قابل رشک ہے آزادی مارگیسو
نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگانِ کوچۂ جاناں اب کٹکھنے ہو گئے ذاکر
جو در بانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح - حکیم منشی محمد اسمعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ بیا ٹر گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے - اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محفوظ کرتے ہیں ۱۹۱۳ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب کلام ظرافت یہ ہے -

نگہ میں کھٹا رند و محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے
اُچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ

شراب پاک مرد وندو نکو وہاں حوریں پلائینگی
کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا
ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہو

وحشت جنوں میں بھی نہ پھرے ہم برہنہ پا
یہ آبلے ہی پاؤں کے پاپوش ہو گئے

میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے چاؤ
چھٹی سے پاؤں ہو گئے ایک ایک رچ پانو

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن — ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو
مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا — اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پانو
سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک — آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پانو
صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے — سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پانو
چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں عزیز — مفلس نہیں کہ میں کھول باہر وطن کے پانو

ذکی - لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہو گی نہیں تو اسے سمجھا دیجئے — گالیاں دیتا ہے روز آپکا درباں مجھکو
زلف پر پیچ کی الفت میں ہیں تھیر جاؤں — دیکھنے کو جو ملے بھول بھلیاں مجھکو
دی ہے سو مرتبہ جب یار کو بیٹی میں نے — تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی کھینیاں مجھکو
جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری — کہا لیلیٰ نے کہ بھئی مارینگی اماں مجھکو
وصل ہو جائے چپ اس لئے کرتا ہوں فقط — ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو
اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں — نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا سارباں کے لئے — کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکنے لئے
نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھوٹا ہے — یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے
بھنا دیئے نہ چنے بھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس — دو وقتہ تورے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلی نے ادرالٹی دی
کہ ہوگی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے

یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو اے جاناں
کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے

تو اس پری کی محبت میں گھوم جا ای غیر
کہ تیرا باپ بھی لوٹتا تیری ماں کے لئے

کسے لگاؤ گے تم تیر مر گیا عاشق
وہ فاختہ نہ رہی اب خلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے
وہ کون سے گدھے ہیں جو یہ کھیت چر گئے

ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو
منھ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے

سوتے میں لے گیا کوئی زلفیں تراش کے
وہ مجھسے بدگماں ہوے موچھیں کتر گئے

طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقوں کے دل
پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

فسیل - نو بہار نام تھا - میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی - یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی - دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں -

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے
اپنے کرتوت پہ جبدم کہ اترا تی ہوں

تمسے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا
ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنالیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہے تھے - ایک شعر مل سکا ہے - اسے مجذوب کی بڑ سمجھئے یا ظرافت جانیئے -

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ اُدھر کے

ذوقی - یہ عبدالاحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے صاحبزادہ تھے
بلگرام وطن تھا - نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے - اُن کے والد سید محمد اشرف موضع راہون
کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے - اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی
وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام
۱۱۳۷ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے
انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرۂ سرو آزاد کی عبارت
سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور متین اشعار میں اپنا تخلص وَاحد
رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اُسکی تعریف میں پورا ایک دیوان
کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رُباعی قطعے - مثنوی
مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا
ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رُخ لوزینہ وا کنند — آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بہر مُربا جدا شدہ است — لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست — اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید — پنہاں زچشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست راز تنش برکشیدہ اید — بار دگر بہ کیسلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را — بر کام دل زمحنت زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار — نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے ذائقہ شکر نشدے گر — چشم نشدے سیر مزعفر نشدے گر

چنداں بہ ادب دستہائی داتمش من
با شیر و شکر حب ہمبر نشدے گر
حلوا نفر فودے بدماغ این ہمہ قوت
ذوقی ہمہ اجزامش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزباں یکدو سہ چار پنج و شش
ریزہ قند دسد ہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب
چمچہ بزن فراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
بیدہ دلفریب را گرچہ ثقیل گفتہ اند
لیک ندانمش زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہدانہ لم بکف گرفتداز کمال شوق
بوسہ ہم ہمے اس یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پراز مزعفرہ کاسہ پراز برنج و شیر
خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ وہ چہ خوش است ذوقیا
خربزہ ہائے خوش نہاں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل زذوق برفیم بیتاب می گردد
کہ از یاد زلابی محو پیچ و تاب می گردد

بہ بیں بہ سوے چپاتی بہ دیدہ انصاف
کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض زموسم برسات اولہ وبوندی است
وگرنہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ نیشکر از خرمی بخود بالد
کہ آں او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمناے ملاقات شکر اے ذوقی
آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

راحت - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا — انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا
میں اپنی ایڑی چوٹی پہ ٹھدقے کروں آسے — یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا
روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی — تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جوا پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ — نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے بندر کی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال — گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات
گونگی بہری کب تلک لو گو بنی بیٹھی رہوں — نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہ میں پوری کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں — مجھکو تو بچی یہ بڑھا چو چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری — دُگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری
لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان — غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

ارے ناداں تیں اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے
رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں
سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

رُسوا - خیرات علی نام تھا - پنجاب کے رہنے والے تھے - مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا - نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے - غزل گوئی کا شوق تھا - میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے - مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے - مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے - چند شعر مع حالات کے ایک قدیم قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین - اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جاسکتے ہیں انتخاب کر لئے -

نالہ کرے نہ ہجر میں اختر شمار ہو
شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو

رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے
دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ اُدھار ہو

مجنوں کی بھی دست درازی ہے تو اک روز
سر مونڈ کے لیلیٰ کو چڑھائے گا شتر پر

میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں
تونے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر

کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں
اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رسم - لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے - جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے - ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے - لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرمادیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے - کلام بھی بہت کم دستیاب ہوسکا - کیونکہ ایسے اشعار جو صاف شستہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے - بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں -

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے کھدر اور سوت کا
پھنسی ہیں مادر وطن جناب نور باف سے

نہ اُن کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا
خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چھ مہینے سے
ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں
اُدھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ اگر شب غم
چارہ ساز آگئے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا اُنھوں نے فیل ہمکو کر دیا
اپ وہ ہمسر اور ہم اپنے خون کا دعوی کریں

رشک - ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے - ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی - دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں - منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے - رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا - اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے - مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں - اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے - جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر
فرقت یار میں پلاؤ نہیں

میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب
پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن
یہ اگر قند کا چواؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں اور نالۂ و آہ　　　اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک　　　جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے ہمائے حیات کبھی مجھکو بھی دے　　　جھوٹا تری رکابی کا توروں سے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے　　　بنگلے بھی کان پور کے گوروں سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں　　　رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُس کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا - اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہونچانے
کے لئے تقسیم کرایا کراتے تھے - تیسرا خبط یہ تھا - کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے
اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے - یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو
وحی آسمانی جانتے تھے - چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ
فرماتے تھے - بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ بحر و
پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں - پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے
انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو
ہدیتاً بھیجا - اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس
جو اسوقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو - چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے
نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا - چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس
مضحکہ کو نقل بھی کیا ہے - اب چند شعر نمونتہً درج کئے جاتے ہیں -

الٰہی دانشمندی مراد خدا
الٰہی تو امید دانی ترا

ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد
آبِ باراں کہ حکم خدا نیا بند عید کہ باراں آمد

خم غدیر را کہ پیغمبر داوہ و ملک داو
خریدار ملک را اصلح سر تاج داد

و منصور حلاج بدار و بدار انا الحق گوید
شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید

صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد
بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد

سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد
گولۂ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد

عورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار
خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار

زنانِ کلکتہ را آب بسیار
گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس
خدا را شناس و خندا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں " استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جسمیں بیشتر تمسخر کا پہلو مدنظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکون اختلاج دل ہوا جب نے اسے پھانکا | سفوف عاشقی ہے نام خاک کوے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا | کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہوجائے گا آخر کو گرفتار | حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن | یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رُخ کی تجھے رب کو ہو نصیب | قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج ملشکری چٹائیگا | سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا ساماں قاضی جی | کنویں کا اُنکے پانی ہوگا اور بسری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمٰعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - مگر عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار تھے آرہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۲۰ء میں معقول عمر پاکر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگواکر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے - پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے -

پتیلی میں نہ اُن کی چھید ہو جائے یہ کہتا ہے — لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ
ہمارے شیخ جی ہلنے کی اکثر مشق کرتے ہیں — کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ
کمربند انکا مستی میں کھلا لنگ سرک آیا — کہاں آکر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ
کبھی بھڑا اڑاتے تھے کبھی گودڑ چڑھاتے تھے — جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ
بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے — رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا بو بھی کیا فر فر نکلتے ہیں — چمن سے جب ترے گیسو لئے ہنٹر نکلتے ہیں
دہیسا پر ہر قدم پر تالیاں فقتے بجاتے ہیں — پہن کر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں
ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر دانکی — ربڑ ٹا نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں
چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب پھٹکے — ہمارے دو گھروں کے آج فرنیچر نکلتے ہیں
مبارک ہوں عدو کو ہلکی ہلکی ٹھسکیاں انکی — سنا ہے وہ نچانے کے لئے بندر نکلتے ہیں
رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں اُنکے گول کمرہ میں — انھیں تو وصل میں بھی سیکڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار — دیکھتا ہوں اُسے دنمیں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین - مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے - ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے - اور ہندوستان کے مختلف امرا اور روسا کی سرکاروں میں ملازم رہے - رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو ونما دہلی میں پائی - اور عمر بھر یہیں رہے - سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی - اسفار کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کرکے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عرصہ تک
مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ طبیعت
ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ متین۔ عاشقانہ۔ ناصحانہ۔ ظریفانہ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔
ریختی کا موجد بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی
میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کی طرح
نہ سراپا آہ ہیں۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوئے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے
جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ بیختہ۔ آمیختہ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد
رنگین۔ فرسنامہ رنگین نامہ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک
مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ
اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے
کہ اسوقت کے تمام باکمال شعرا نے متفق ہو کر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت نے
تو مصرع تاریخ یہ کہدیا ہے۔ کہ۔ ہے یہ بدر منیر سے بہتر۔ ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت
اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی رائے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ
اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ اُن کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے
کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے بھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف
خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشاء نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر
پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

واری تری جاؤں میں خالق ہے تو خلقت کا — کب مجھسے بیاں ہووے ذرہ تری قدرت کا
اب آٹھ پہر تجھسے مانگوں ہوں دعا یہ میں — بندی کو پڑے ہو کار رنگیں کی نہ چاہت کا

مجھپہ طوفان نہ رکھو جاہ کا چل دور ودا — جھوٹ سے منھ کا تری جائیگا اڑ نور ودا

ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیجا سہی — تسپہ یوں گھور کے دیدے مجھے مت گھور ودا

اس لگانے سے ترے انوز بجھانے سے ترے — تیرے تالو میں الٰہی پڑے ناسور ودا

بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی — ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور ودا

دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تونے — اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ودا

رات باتوں میں یہاں تونے گزاری اَنّا — صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لاری اَنّا

سوچ اس کا نہ ہو گر مجھکو تو پھر کسکو ہو — جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری اَنّا

آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ — روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری اَنّا

ہونی جو ہوے سو ہو بندی ملے گی شرطی — وصل کی اُس سے زباں آج میں ہاری اَنّا

اُٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نمین کے پاس — کہیو سب حال مرا میں ترے واری اَنّا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں — دگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا

کروں قربان میں شوازکو جانی کی کرتی پر — دگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا

ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھسے نہ ہنس ہنس کر — زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری گردن کا

جوانی سے وہ پھل پٹ اگئی حف نظر مری — وہ کون انساں ہے آج غش نہیں نمگیں کے جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکے مروڑی انگیا — ہو گئی تنگ پچھا دان سے نگوڑی انگیا

لے گئی کھول کے تو شب کے دگانا ساری — ایک بھی میرے پہننے کو نچھوڑی انگیا

ٹھیک کچھ گات پہ یہ ہے نہیں بی مغلانی — تنگ اس سے بھی ذرا سیجو تھوڑی انگیا